اِنَّ عَلِیًّا صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَیْهِ لَمَّا تُوُفِّیَ عُمَرُ اَتٰی اُمَّ کُلْثُوْمَ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰی بَیْتِهٖ

(فروع کافی)

ام کلثوم فاطمہؓ کا ہُوا — عقد فاروقؓ سے بلا اکراہ
ہے دلیل محبت و الفت — عمرؓ و مرتضیٰؓ کا یہ رشتہ
طیب خاطر سے تھا یہ کار علیؓ — اس سے ناخوش ہو کیلئے شیعہ

الحمد للہ کہ رسالہ نمبر ۳۹ ۔ الموسوم بہ

البحث المختوم
فی
حلِ عقدِ امِ کلثوم

از رشحات قلم بلاغت رقم سید مظہر حسین صاحب بی اے منشی فاضل

جس میں کتب معتبرہ شیعہ و سنی سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی دختر بلند اختر سیدہ ام کلثوم فاطمہؓ کا نکاح زینتِ منبر و محراب سیدنا عمر بن خطابؓ سے برضامندی فریقین ہوا ۔ نیز ان تمام وساوس کا بھی بوجہ احسن رد کیا ہے جو چودھویں صدی کے روافض اپنی صحاح اربعہ کو پس پشت ڈالکر نکاح کے متعلق پیش کیا کرتے ہیں

بتقریب عید میلاد النبی صلعم ۱۳۴۲ھ

دائرۃ الاصلاح لاہور نے بافادہ اہل سنت چھپوا کر مفت تقسیم کیا

مطبوعہ کریمی پریس نیلا گنبد لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

قرآن السعدین شائع کئے ہوئے چار سال سے زیادہ گذر گئے ہیں۔ اس عرصہ میں ہندی شیعوں نے کئی بے سروپا تحریرات شائع کیں۔ مگر نکاح ام کلثومؓ کے مسئلہ پر قلم اٹھانے کی انہیں کبھی جرأت نہیں ہوئی۔ ہمیں یقین ہے کہ قرآن السعدین کا مطالعہ کر کے وہ دل سے اس نکاح کی واقعیت کے قائل ہو گئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تعصب و فرقہ بندی کی قید اور کتمان حق کی لگام انہیں حق گوئی سے روکے ہوئے ہے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ توبہ کر کے داماد علی المرتضیٰ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں داخل نہ ہو جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو القائے ربانی سے معلوم ہو گیا تھا کہ گبران و مجوسیان ایران اپنے آتش کدوں کی تباہی پر دانت پیستے ہوئے حضرت علی رضؓ کی محبت کے لباس میں جلے دل کے پھپھولے پھوڑیں گے۔ اور بغض و تعصب سے طرح طرح کے بے سروپا قصے جوڑیں گے۔ اس لئے حضرت عمر رضؓ نے حضرت مرتضیٰ رضؓ سے خواستگاری ام کلثومؓ کی اور انہیں نکاح پر راضی کر لیا۔ تاکہ دشمنان دین غیور خسرؓ کے محب کہلاتے ہوئے اگر جلیل القدر داماد کی بدگوئی پر زبان کھولیں تو ان کی محبت اہل بیت علی رضؓ کی قلعی کھل جائے۔ اور وہ **فبهت الذی کفر** کے مصداق نظر آئیں۔ الحق کہ عقد ام کلثوم رضؓ روافض کے لئے ایسا سخت واقعہ ہے جو ان کے تمام تعصبات کو جو وہ حضرت فاروق اعظم رضؓ سے رکھتے ہیں بیخ و بن سے اکھاڑنے والا ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کرنا ان کیلئے زندہ درگور ہونے کا مترادف ہے۔ اسلئے وہ آئیں بائیں شائیں کر کے اس بحث سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ نکاح ام کلثوم رضؓ ان کو بھگانے کے لئے **لاحول** کی تاثیر رکھتا ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ اسی ہتھیار سے کام لینا چاہئے۔ کافی کی مجلدات مطبع نولکشور لکھنؤ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ یہ ان کو شکست دینے کیلئے کافی ہیں۔ انہی سے ان کا قافیہ تنگ کرنا چاہئے۔

سیدنا عمر فاروق اعظم رضہ اور سیدہ ام کلثوم رضہ کا نکاح آن تمام جھوٹے قصوں کی تکذیب
کیلئے کافی ہے۔ جو روافض نے حضرت علی رضہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دشمنی
ثابت کرنے کیلئے تصنیف کر رکھے ہیں۔ کوئی شیعی مجتہد جو اپنی کتب احادیث سے واقف
ہو اس نکاح سے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ حضرت علی رضہ شیر خدا پر یہ اتہام لگا سکتا
ہے کہ انہوں نے ڈر کر یا تقیہ سے "دختر بعمر فرستاد" مگر یہ قول اس عناد دلی کا مظہر
ہوگا جو شیعہ جناب مرتضےٰ سے رکھتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ایک شیعہ صاحب منشی
معراج الدین صاحب عمر بٹ کو بمعیت نواب بشیر احمد خاں صاحب اپنے لاہوری مجتہد
کے پاس کافی سے یہ نکاح ثابت کرنے کیلئے لے گئے بٹ صاحب نے اپنے کشمیری بھائی
مجتہد کو امام غائب کی مصدقہ کتاب سے وہ تمام حوالے نکال کر دکھا دیئے جو کتاب ہذا
میں نقل کئے گئے ہیں۔ اول الفرج **غصبناہ** ملاحظہ کر کے مجتہد صاحب نے فرمایا کہ
چھاپنے میں غلطی سے ض کی جگہ ص لکھا گیا ہے۔ درست غضبناہ ہے۔ جس کے معنی
آپ نے کیا ہی درست بتائے کہ یہ پہلی (فرج) گندی بات ہے۔ جس سے ہم غضبناک
ہوتے ہیں۔ بٹ صاحب نے کہا بہت خوب اس گندی بات کو نظر انداز کر دیں۔ اور دوسرا
حوالہ ملاحظہ کریں۔ جس میں بعد از وفات حضرت عمر رضہ حضرت علی رضہ کے اپنی بیٹی
کو عدت گذارنے کے لئے گھر لے آنے کا ذکر ہے۔ اور تیسری اصول کافی میں پردہ دری
والی حدیث بھی ملاحظہ کریں۔ جس سے آپ کے خلیل صاحب بقول حضرت علی رضہ نکاح
ام کلثوم رضہ مراد لیتے ہیں۔ مجتہد صاحب یہ دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔ اور کھسیانے ہو کر
فرمانے لگے کہ **کافی تمہاری بخاری** کی طرح صحیح کتاب نہیں ہے۔ ہم اس کو نہیں
مانتے۔ اس میں کئی حدیثیں جھوٹی ہیں۔ اور کئی تقیہ کی ہیں۔ کبھی تم نے ہمیں کافی پڑھتے
پڑھاتے دیکھا ہے۔ بٹ صاحب نے کہا کہ پھر آپ کی کونسی مذہبی کتاب قابل اعتبار
ہوئی۔ **قرآن نزد امام غائب۔ کتب احادیث ناقابل اعتبار مجتہدین**
کے اقوال مات المفتی مات الفتویٰ کے فیصلے کے مطابق بیکار پس کوئی
آپ سے کس اصول پر گفتگو کرے۔ مجتہد صاحب نے فرمایا ہم مجتہد ہیں۔ ہم جو کہیں وہی
ٹھیک ہے۔ واہ واہ! کیا مذہب ہے۔ کہ کوئی کتاب قابل استناد نہیں۔ حقیقت
یہ ہے کہ واقعہ نکاح ام کلثوم رضہ شیعوں کے لئے سوہان جان ہے۔ اس لئے وہ

قرآن و حدیث اور فقہ کو جھٹلا دیں گے۔ مگر اس واقعہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس سے ان کے ہاں پانی مرتا ہے۔ اور انہیں کے اصول کے مطابق کہ "اپنے سے بہتر کو داماد بناتے ہیں" انہیں حضرت عمرؓ کو جناب علی رضؓ پر فضیلت دینی پڑتی ہے مگر جو نکاح ہونا تھا ہو چکا۔ اب ان کے انکار سے کیا ہو سکتا ہے ع

گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

سید مظہر حسین صاحب بی اے منشی فاضل نے جس جانکاہی اور عرق ریزی سے مسئلہ عقد ام کلثوم رضؓ کو حل فرمایا ہے۔ وہ انہی کا حصہ تھا جزاک اللہ۔ ان کی لاجواب کتاب قرآن السعدین نے پہلے ہی روافض کی زبان بند کر رکھی ہے اور یہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول" کی مصداق تالیف ان کے لئے اور بھی دہان بند و لب دوز ثابت ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

دائرۃ الاصلاح لاہور

دی جے صفدرؓ نے بیٹی تو اسے دو گالیاں!

عہدِ فاروقی میں تو مومن تقیہ سے بنا
دشمنِ داماد بھی تو اور خسر کا بھی محب!!
حبِ حیدرؓ بغضِ فاروقؓ ایک دل میں جمع ہو
دی جے صفدرؓ نے بیٹی تو اسے دو گالیاں
لعنت و دشنام کو سمجھا ہے تو کارِ ثواب
ذرکہ لے جائیں گے دوزخ میں ملائک کھینچ کر
دشمنِ دامادِ حیدرؓ رافضی تب سے بنا
جب مجوسی کو کیا صہرِ علیؓ نے تھا ذلیل

رافضی! دل میں ترے ہے جو شررِ بغض پوش
یہ تو ہے جرمِ منافقین نے پڑا از مکر و فسوس
ہے چھپا رکھا برص کو تو نے در لبسِ عروس
قابلِ نفرت ہے کیسی رافضی تیری یہ توس
ڈر کہ ہو انجام تیرا بھی مثلِ شیخ طوس
تن کے ڈربے سے جو نکلے روح تیری کا خروس
جب کہ ایران میں بنے تو آپ ناموس کو
دے قرار اس کے قہر فیروز کو یوم جلوس

نورِ ایماں ہے تو بن فاروقِ اعظمؓ کا غلام
ورنہ ہم بھیجیں گے تجھ پر ہی سلامی میں سوس

(الناس) (ذکرم)

۷۸۶

روافض کی حق پوشی و باطل کوشی

امیر المومنین امام المتقین سالار عادل فاروق اعظم زینت المنبر و المحراب سیدنا عمر رضؓ ابن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سوانح زندگی کا سب سے درخشاں واقعہ جو سـ۱۷ـھ میں ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا نکاح سیدہ مطہرہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے تھا۔ جو امیر المومنین امام المتقین مظہر العجائب و الغرائب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادی اور حضرت طاہرہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن مبارک سے تھیں۔ اس قران السعدین کے واقعہ کو قرون اولیٰ میں اور اس کے بعد بھی ایک وقت تک سائر مورخین و محدثین نے علی التواتر بیان کرکے اس کثرت سے شہادت بہم پہنچائی ہے جو حق الیقین کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ڈنکے کی چوٹ تمام عالم اسلام پر کالنقش فی الحجر ہویدا کر دیا ہے کہ یہ نکاح ہوا اور ضرور ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے فرقہ روافض نے جو اہلبیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب نبی صلعم کی دشمنی میں ید طولےٰ رکھتا ہے۔ اور امر حق کو پردہ ہائے تعصب و کذب میں مستور کرنے کیلئے یگانۂ روزگار ہے۔ بعلتؔ اس صداقت سے روگردانی شروع کی۔ اور یہ مسئلہ بتدریج تنزل کرتا ہوا موجودہ زمانے میں اس حد تک پہنچ گیا ہے۔ کہ ان کے لئے اس کا خیال بھی موجب قہر و عذاب الٰہی ہے۔ اور باوجود اس واقعہ کی صحت کے وہ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ اس حقیقت نے انہیں پادر آتش کر رکھا ہے۔ اور کباب آسا انہیں کسی کروٹ چین نہیں پڑتا۔ اسلئے وہ اپنی انتہائی کوششیں اب اس امر میں صرف کر رہے ہیں کہ اس صداقت اعظم کو محض لفاظی اور روایات کاذبہ کے ایک غیر مسلسل و غیر مربوط روایات کی خس و خاشاک سے جن کے لاانتہا انباروں پر وہ قابض ہیں ڈھانپ دبا جائے۔ ورنہ ان کے مذہب کی خیر نہیں۔ کسی جگہ تقیہ کی سپر استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ یہ راستی کی تیغ تیز کا ایک وار بھی برداشت نہیں کر سکتی تو حضرت امیرؓ کے صبر و تحمل کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش

کی جاتی ہے۔ لیکن جب دال بھی گذر نہیں ہوتا تو عوام کو مرعوب کرنے کی خاطر حضرات آئمہ ذوالاحترام کے اقوال خودساختہ پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جب ان کا بھی تارو پود بکھرتا ہوا نظر آتا ہے تو مرحوم مورخوں سے **استعانت** کی جاتی ہے۔ محدثین و مجتہدین کے اقوال و فتاوے کی لا یعنی و **مضحکہ خیز تاویلیں** کی جاتی ہیں۔ کوئی نکاح کا بجائے خود منکر ہوتا ہے۔ کوئی حضرت ام کلثوم رض کا بنت مرتضوی ہونیکا انکار کرتا ہے۔ کوئی نکاح کا معترف ضرور ہے لیکن بعد از نکاح ہمبستری کی تردید کرتا ہوا بال کی کھال کھینچتا ہے۔ کوئی ایک جنیہ کو جو شکل جعل حضرت ام کلثوم رض میں تھی حضرت عمر رض کے حبالۂ نکاح میں دیتا ہے۔ غرض ہر رافضی اپنی الگ بانسری بجا رہا ہے۔ ہر فرد کا جُدا ترانہ ہے۔ ہر متنفس کا نیا فسانہ ہے۔ لیکن صد حیف کہ حرف آرزو پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ اسی سعی نامشکور میں سینکڑوں دماغ شب و روز محو تخیل ہیں۔ ہزاروں افسانے ایجاد کیے گئے۔ لاکھوں صفحات قرطاس سیاہ ہوئے۔ لیکن انجام سوائے کوہ کندن و کاہ برآوردن کے اور کچھ نہ ہوا۔ اور کوئی حیلہ و عذر اس معاملہ میں راست نہ ٹھہرا۔ اور حق یہی ہے۔ کہ بقول سند المتکلمین نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید محمد مہدی علیخان صاحب بہادر منیر نواز جنگ (جنہوں نے کامل تحقیق کے بعد شیعیت سے توبہ کی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ثنا خوانوں میں داخل ہو کر رفض کے رد میں **آیات بینات** تالیف فرمائی۔ جس کا کوئی معقول جواب شیعے نہیں دے سکے) رافضی کسی معاملے میں ایسے دق اور زچ نہیں ہوئے۔ جیسے کہ اس معاملے میں ہوئے ہیں۔ ایک اس انکار کو نباہنے کیلئے انہیں سو جھوٹ اور اختراع کرنے پڑے جن کا نتیجہ ماسوائے اس کے اور کچھ نہ ہوا۔ کہ **ان نادان دوست نما دشمنوں کی ہمدردی خاندان رسالت کی عزت و حرمت کیلئے وبال ہو گئی** اور منزل نبوی میں کوئی فرد واحد ان کے سفیہانہ بہتان و افترا سے نہ بچ سکا۔ اور قرابت داران رسول صلعم کو بکمال مجبوری یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ؂

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم — کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اندریں حالات ایک جماعت روافض نے تو صرف انکار پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ اس اہم مسئلہ میں اپنی کتب معتبرہ اور مجتہدین و اکابر برگزیدہ کی عزت و احترام

کو بھی گلدستہ طاق نسیان بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اسی قبیل سے حکیم مولوی سید علی اظہر مصنف **کنز مکتوم فی حل عقد ام کلثوم** ہیں۔ جنہوں نے اس مسئلہ میں عجب عجب موشگافیاں کی ہیں۔ اور بزعم خود دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کے دریائے شور کو روایات کاذبہ و مقالات باطلہ کی مٹھی بھر قند سے شیریں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان احادیث و روایات کا جو دربارہ عقد ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا ان کی کتب معتبرہ و مستندہ میں موجود ہیں۔ اور جن کے اکابر روافض نہایت شد و مد سے معترف ہیں اپنی کتاب میں ذکر تک نہیں کیا بلکہ برعکس ان تمام حقائق کے۔ اہلسنت والجماعت کی چند اضعف روایات کو لیکر اور ان کی غلط سلط تاویل و تحریف کرکے عقلی ڈھکوسلوں سے صحیح واقعات کی پردہ پوشی کا ناخوشگوار فرض ادا اور چند صفحات کے مضمون کا بار بار اعادہ کرکے کتاب کو ڈھائی سو صفحوں پر ختم کیا ہے۔ اور بہت سی غیر متعلقہ باتیں درج کرکے اپنے نامۂ اعمال کی طرح اوراق سیاہ کئے ہیں۔ جن سے نہ تو اس مسئلہ پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور نہ ہی طالبان حق کسی مفید نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

مولوی سید علی اظہر کنز مکتوم کے صفحہ ۹ پر یوں رقمطراز ہیں "بہر کیف بالحاظ دیگر اول تو یہ کہ جو مابعد مذکور ہونگے۔ خود اہلبیت رسول صلعم اور اکابر اہل حق کا انکار کرنا اس واقعہ سے اور اس کو دروغ جاننا بنفسہ دلیل بطلان واقع مذکورہ ہے۔ چہ جائیکہ اور دلیلیں بھی ہوں کیونکہ شیعہ منکر ہیں۔ اور انکار کے لئے حاجت دلیل نہیں۔ اور اہل سنت مدعی "والبینۃ علی المدعی" پس بار ثبوت ان پر ہے۔ اور شیعہ مانع ہیں۔ مانع کے بارے میں خود اہل سنت کا قول ہے "**مانع کو ضرورت دلیل نہیں**" ہم اس قول کو بخوشی تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بار اپنے ذمے لیتے ہیں۔ اور اسی لئے ہم نے تہیہ کر لیا ہے۔ کہ اس قضیہ نامرضیہ کے تصفیہ کے لئے روافض کے سامنے خود ان کے ان کی تحریری دستاویزات بطور شہادت پیش کریں" تاکہ وہ انہیں دیکھ کر شرمائیں اور غیرت و حیا کو کام میں لا کر چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔ اور پھر جرأت انکار نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بڑھکر اور کونسے ادلہ قویہ ہونگے۔ جن کا خصم کو بھی اعتراف ہو۔ اور یہی طریقہ ہے کہ ہم دروغگو را تا بخانہ اش باید رسانید کے فرض گراں سے بوجہ احسن سبکدوشی

حاصل کر سکتے ہیں۔ روافض کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اسلاف و اکابر سے جو اس نکاح کے معترف ہیں۔ جو سلوک چاہیں کریں یا ان محدثین و مورخین کو یکقلم اپنے مذہب سے خارج کر کے انہیں بھی گنبد "گم" میں داخل کریں۔ کیونکہ اُن کا خدا۔ نبی۔ قرآن اور امام تو مُدت سے گم ہیں۔ اب اگر اس دفتر احادیث و روایات کو گم کر کے مذہب کو بھی نابود کر دیں۔ تو یقیناً اُمّت محمدیہ پر ایک احسان عظیم کرینگے۔ ان کے لئے اندریں حالات یہ امر لابدی ہوگا کہ وہ اس اضطرار اور بدحواسی کے عالم میں اپنے آخری موہوم دامن میں پناہ گزین ہوں۔ اور منتظر رہیں کہ امام آخرالزمان غار سر من رائے سے ظہور فرما کر ان سب کو آشکارا کریں۔ اور تا آنساعت اہل حق کے مقابلہ و معارضت کی ہرگز جراءت نہ کریں۔ کیونکہ مآل کار بجز ندامت و پشیمانی کے جو آجتک اُن کے شامل حال رہی ہے اور کچھ نہ ہوگا ؎

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے

اب ہم ان اقوال مختلفہ و حوالجات متعددہ کی جانب رجوع کرتے ہیں جو کتب معتبرہ روافض میں اس مبارک ازدواج کی نسبت منقول ہیں۔ اور روافض کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ان کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ اور پھر ذرا اپنے متاخرین و موجودہ مجتہدین کی حسرت آفرین توجیہات باطلہ کو عدل کے ترازو میں رکھکر دیکھیں کہ پلا کدھر جھک رہا ہے +

ثبوت نکاح از کتب روافض

روافض کے رئیس المحدثین شیخ الامام الحافظ ثقۃ الاسلام ابی جعفر **محمد بن یعقوب کلینی** رازی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب **فروع کافی** جو روافض کے نزدیک ارجح ترین مجموعہ احادیث اور امام **آخرالزمان کی مصدقہ کتاب** ہے۔ اور جسپر امام موصوف نے ھذا کاف لشیعتنا (یہ ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے) کی مہر ثبت کر کے اسے نہایت ہی موقر و ممتاز بنا دیا ہے۔ اس کی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ میں ایک خاص باب **فی تزویج ام کلثوم** باندھا ہے اور متعدد احادیث جو کسی تاویل یا توجیہ کی شرمندہ نہیں بلکہ دودھ کا دودھ اور

بال کا بال کر دیا ہے۔ اور گنجائش تک نہیں چھوڑی کہ ایسی صریح احادیث پر کوئی اعتراض وارد ہو سکے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ موجودہ زمانے کے عالم نما جاہلوں نے اس واقعہ سے انکار کرنے کی خاطر عجب عجب قلابازیاں لگائی ہیں۔ اور دن دہاڑے لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر ان کے متاع دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ اور ابدی گمراہی اور ضلالت کا اجارہ صرف اس لئے کیا ہے۔ کہ ان کے مذہب کا عنکبوتی جال ٹوٹنے نہ پائے اور اس کا بدلہ یقیناً ان کے لئے خدا کے ہاں موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان احادیث کو مع ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔

حدیث اوّل امام غائب کی مصدقہ کتاب سے

(۱) باب فی تزویج ام کلثوم:۔ علی بن ابراھیم عن ابیہ عن ابن ابی عمیر عن ہشام بن سالم و حماد عن زرارۃ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی تزویج ام کلثوم فقال ان ذالک فرج غصبناہ (باب بیچ نکاح ام کلثوم کے۔ حدیث بیان کی مجھ کو علی بن ابراہیم نے اس نے بیان کی اپنے باپ سے اس نے بیان کی ابن ابی عمیر سے اس نے بیان کی ہشام بن سالم و حماد سے ان دونوں نے بیان کی زرارہ سے اس نے بیان کی ابی عبد اللہ علیہ السلام سے بیچ نکاح ام کلثوم کے پس کہا انہوں نے **تحقیق وہ ایک فرج ہے جو چھینی گئی ہم سے**۔ حضرات روافض اس حدیث پر انصاف کی نظر کریں اور دیکھیں کہ شکریوں کے سینہ پر کینہ پر یہ حدیث کس طرح نشتر بن کر معروف بجراحت ہے۔ امام صادق نے اس نکاح کا اقرار کیا ہے۔ خواہ وہ بجبر و اکراہ وقوع پذیر ہوا خواہ بطیب خاطر۔ کلینی نے بقید و صحت اسناد اس کو بیان کیا ہے اور اس کے وقوع کا مقر ہے۔ لیکن باوجود اس روشن دلیل کے **متاخرین** روافض کا اس سے انکار کرنا اور اپنی کج بیانی سے اس کی تکذیب کی سعی بعینہ آفتاب کو کف دست سے پوشیدہ کرنا ہے ؎

خیال زلف دوتا میں نصیر پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

بعض متعصب روافض نے لکھا ہے کہ یہ نکاح ان کے اکابر نے فرضی تسلیم کیا ہے لیکن کیا کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی اس حماقت کا قائل ہوگا کہ یہ حدیث بطور فرضیت

کے بیان کی گئی ہو یا احتمال کا کوئی پہلو اس میں موجود ہو۔ اگر تمام احادیث کا اسی زاویہ نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو پھر خدا معلوم تاریخ و سیر میں کونسا واقعہ قابل تمسک باقی رہ جائیگا۔ لیکن یہاں تو گواہ چست والا معاملہ ہے۔ روافض کیا کریں اور کس طرح اپنے مذہب کے تار و پود کو بکھرنے سے بچائیں نہ جانے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ ہو رہا ہے۔ امام کی تکذیب ہوتی ہو تو ہو۔ اکابر پر غلط بیانی کا الزام آئے تو آئے لیکن یہ اپنے تعصب سے باز نہ آئیںگے۔ اور ہمارا مرغی کی ایک ٹانگ گاتے جائیںگے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؛

حدیث دوم امام آخر الزمان کی تصدیق کردہ کافی سے

دوسری حدیث جو اسی باب میں ملا کلینی نے قلمبند کی ہے۔ وہ حدیث مذکورۃ الصدر سے بھی زیادہ بیّن اور واضح ہے۔ اور فرضیت کے ڈھکوسلے کا بھی قلع قمع کرتی ہوئی رہ رہا۔ محمد بن ابی عمیر عن ہشام بن سالم عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال لما خطب الیہ قال لہ امیر المومنین انہا صبیۃ قال فلقی العباس فقال لہ ما لی ابی باس فقال وما ذاک قال خطبت الی ابن اخیک فردنی اما واللہ لاعورن زمزم ولا ادع لکم مکرمۃ الا ھدمتہا ولاقیمن علیہ شاھدین بانہ سرق ولاقطعن یمینہ فاتاہ العباس فاخبرہ وسالہ ان یجعل الامر الیہ فجعلہ الیہ۔ حدیث بیان کی محمد بن ابی عمیر نے ہشام بن سالم سے اور اس نے عبداللہ علیہ السلام سے کہ جس وقت خطبہ کیا (حضرت عمرؓ نے) اُس (حضرت علی رضؓ) سے کہا اُس کے لئے امیر المؤمنین نے کہ تحقیق وہ صغیر سن ہے۔ کہا پس ملاقات کی (حضرت عمر رضؓ نے) اس (عباسؓ) سے کہا ساتھ میرے کوئی ڈر ہے۔ پس کہا (حضرت عباس رضؓ نے) کیا بات ہے کہا (حضرت عمر رضؓ نے) خطبہ کیا میں نے تیرے بھتیجے (علیؓ) سے پس رد کر دیا اُس نے مجھ کو قسم اللہ کی البتہ ضرور دو باؤنگا زمزم کو اور نہیں چھوڑونگا تمہارے لئے کوئی عزت اور قائم کرونگا۔ اس امر پر دو گواہ اس طریقہ سے کہ یہ چوری کیا گیا ہے اور کاٹونگا دایاں ہاتھ چور کا۔ پس آئے حضرت عباس اس کے (حضرت علی رضؓ) پاس اور انہیں مطلع کیا۔ اور سوال کیا (حضرت عباسؓ نے) اُس (حضرت علی رضؓ) سے کہ کر دے اس امر کو

طرف اس (حضرت عباس رضؓ) کے سپرد کر دیا (حضرت علی رضؓ نے اس امر کو طرف اس (حضرت عباس رضؓ) کی ۔

اس حدیث میں مضمون غصب کی تشریح کر دی گئی ہے۔ اور تمام واقعات متعلقہ نکاح ام کلثوم بیان کر دیئے ہیں۔ حضرات روافض کے کاسۂ دماغ میں چونکہ یہ ٹھونس دیا گیا ہے کہ معاذ اللہ تمام اصحاب نبی صلعم غاصب تھے۔ جیسا کہ انہوں نے خلافت۔ فدک۔ خمس و حق فاطمہ رضؓ وغیرہ کے معاملے میں کیا۔ اسلئے جو چیز بھی بعنایت پروردگار ان کو انعام ہوئی یہ فرقہ بمصداق **ساون کے اندھے کو ہرا ہی سوجھتا ہے**۔ غصب کے تحت پیش شمار کرنے کا عادی ہو گیا ہے۔ خواہ اس میں حضرت علی رضؓ اور اہلبیت کی تذلیل ہو یا ائمہ کرام پر الزام آئے پر یہ اپنی دشمنی کے لیے پکے ہیں کہ انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ اور مجذوبانہ طور پر وہی حرف رٹتے چلے آتے ہیں۔ جس نے انہیں صراط مستقیم سے ہٹا کر ابدی ضلالت و گمراہی کے قعر عمیق میں ڈال رکھا ہے۔ اس حدیث میں نکاح کی ذمہ داری تمام تر حضرت عباس رضؓ پر عائد ہوتی ہے۔ اور ضمناً استنباط کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضؓ اس نکاح سے خوش نہ تھے۔ حضرت عباس رضؓ نے نہایت چیرہ دستی سے کام لیکر خلاف مرضی امیر المومنین یہ نکاح کر دیا۔ حضرت علی رضؓ نے جس وقت سیدہ معصومہ کا خطبہ کیا گیا تو صغر سنی کا عذر پیش کر کے خلیفہ ثانی کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ اور بعد اس کے اس معاملے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ لیکن حضرت عمر رضؓ نے حضرت امیر کے انکار کو اپنی شان کے منافی خیال کرتے ہوئے۔ حضرت عباس رضؓ کو تہدید فرمائی۔ اور تمام بنو ہاشم کو ڈانٹ بتائی جس سے حضرت عباس رضؓ نہایت ہی خوفزدہ ہو گئے۔ اور اپنی اور تمام خاندان رسالت کی سلامتی اسی میں دیکھی کہ حضرت علی رضؓ سے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لیکر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں۔ فہو المراد۔ وہ الزامات جو اس حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی ذات پر عائد کئے گئے ہیں۔ ان کا ذکر تو ہم آئندہ اوراق میں کرینگے۔ یہاں صرف یہی دکھانا مقصود ہے کہ یہ نکاح ہوا اور ضرور ہوا۔ کیونکہ دشمن بھی اس کا معترف ہے ۔

حدیث سوم جس میں زوج ام کلثوم رضؓ کی امانت و دیانت کی بھی تعریف ہے

باب متذکرۃ الصدر کے ضمن میں ملا کلینی نے ایک اور باب اسی مقصد کے متعلق تدوین کیا ہے۔ اور ایک اور حدیث اسی مطلب کی بیان فرمائی ہے جس سے نکاح بھی بوجوہ ثابت ہوتا ہے۔ اور ان الزامات شنیعہ کی بھی جو حضرات عمرؓ و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حدیث محولہ بالا میں عائد کئے گئے ہیں۔ ایک حد تک تلافی ہو جاتی ہے۔ جزاک اللہ چنانچہ وہ حدیث یہ ہے۔ باب آخر منہ عدۃ من اصحابنا عن سہل بن زیاد عن الحسین بن بشار الواسطی قال کتبت الی ابی جعفر اسألہ عن النکاح فکتب الی من خطب الیکم فرضیتم دینہ و امانتہ فزوجوہ الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض و فساد کبیر۔ حدیث بیان کی ہمارے اصحاب میں سے متعدد شخصوں نے سہل بن زیاد سے اس نے حسین بن بشار الواسطی سے کہ لکھا میں نے خط (حسین بن بشار نے) طرف ابو جعفر کے سوال کرتے ہوئے نکاح کے بارے میں پس کہا اس نے مجھے کہ جس شخص نے خطبہ کیا طرف تمہارے اور پسند کیا تم نے اس کا دین اور اس کی امانت پس نکاح کرو اس کے ساتھ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں ایک فتنہ و فساد عظیم بپا ہو جائیگا

اس حدیث میں نہ تو حضرت عمرؓ کے اسم گرامی کا کہیں تذکرہ ہے اور نہ ہی حضرت ام کلثومؓ کے اسم مبارک کا۔ جس سے ہم بیدھڑک کہہ دیتے کہ یہاں بھی نکاح کا اقرار کھلم کھلا طور سے کیا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ حدیث امر متنازعہ کے متعلق نہیں ہے تو اس کا باب تزویج ام کلثومؓ میں کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ درایت کے اصول کے مطابق یہ حدیث غیر متعلق بھی قرار نہیں دی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اتنی بڑی ضخیم کتاب میں اس حدیث کو سوائے اس باب کے اور کہیں جگہ نہیں مل سکی۔ لیکن تھوڑے سے غور سے یہ تمام اشکال حل ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث میں اسلام کے زریں اصول مساوات کی توضیح کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اسلام میں ذات پات کا سوال ایک بے معنی شے ہے۔ اگر کوئی مسلمان دین پسندیدہ رکھتا ہو اور زیور امانت سے آراستہ ہو اور ناطے رشتے کی کسی دوسرے مسلمان کے ہاں۔ جو دنیاوی عزوجاہ میں اس سے بڑھا ہوا ہو اور بحیثیت ذات کے بھی ممتاز ہو آرزو کرے تو اسے رد نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک یہی دو اوصاف پسندیدہ ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو فرقہ بندی ہو جائیگی۔ اور مسلمان باوجود ہم مذہب ہونیکے متفرق ہو جائینگے۔

وہ اخوت جو اسلام کا ایک اساسی اصول ہے دلوں سے محو ہو جائیگا۔ ان کی قوت ضعیف پڑجائیگی۔ اور وہ مغلوب ہو جائینگے۔ چنانچہ دلیل کے طور پر نکاح ام کلثوم کو پیش کیا ہے۔ کہ ایک غیر ہاشمی مرد سے خود حضرت علی رضا نے ایک ہاشمی عورت کا نکاح کر کے اس زرین اصول کو عملی جامہ پہنایا اور دوسروں کے لئے شاہراہ ہدایت قرار دیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے بعد ملا صاحب نے دو اور احادیث جو مطلب و معانی میں بعینہٖ اس حدیث کی موافق و مؤید ہیں۔ بیان کر کے اس باب کو ختم کیا ہے۔ مؤخر الذکر احادیث مختلف طرق سے مروی ہیں۔ اور دبی زبان سے نہایت وثوق کے ساتھ نکاح ام کلثوم کا اقرار کر رہی ہیں۔ لیکن بخوف طوالت کلام ہم ان احادیث کو یہاں سند درج کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مقصد کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہے۔

حدیث چہارم متعلق خانہ آبادی حضرت عمر رضا بام کلثوم رضا

کتاب فروع کافی جلد ۲ باب "المتوفی عنہا زوجہا المدخول بہا این تعتد و ما یجب علیہا" صفحہ ۳۱۱ مطبوعہ نولکشور پریس میں ایک اور حدیث جو اس نکاح کا علی رؤس الاشہاد اعلان کر رہی ہے۔ ملا محمد بن یعقوب کلینی نے سند درج کی ہے۔ اور اس بحث کو ختم کر دیا ہے۔ ڈھٹائی سے اگر کوئی بدقسمت تاڑ خائی کرتا رہے تو یہ اور بات ہے۔ روافض کو چاہئے۔ کہ وہ اس حدیث کا بغور معائنہ کریں۔ اور پھر انصاف سے کہیں کہ ان کے آئمہ واکابر اس نکاح کے مقر ہیں یا کہ

اداسے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا — بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

چنانچہ حدیث محولہ بالا یہ ہے حمید بن زیاد عن ابن سماعۃ عن محمد بن زیاد عن عبد اللہ بن سنان و معاویہ بن عمار عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ عن المراۃ المتوفی عنہا زوجہا تعتد فی بیتہا او حیث شائت قال بل حیث شائت ان علیا صلوات اللہ علیہ لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بہا الی بیتہ حدیث بیان کی حمید بن زیاد نے ابن سماعہ سے انہوں نے محمد بن زیاد سے اس نے عبد اللہ بن سنان سے اور معاویہ بن عمار سے اور ان دونوں نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے

کہا میں نے سوال کیا اس عورت کے بارے میں کہ مرگیا ہو اُس کا خاوند۔ کیا وہ عورت دن گذارے اپنے گھر میں یا جہاں چاہے۔ کہا عبداللہ علیہ السلام نے بلکہ جہاں چاہے تحقیق حضرت علی علیہ السلام جب انتقال کیا حضرت عمرؓ نے تو آئے ام کلثوم کے پاس اور لے گئے اُس کو اپنے گھر۔ یہ حدیث بلا شک و ریب واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ حضرت ام کلثوم رضا جو بنت مرتضٰے اسد اللہ کی تھی زینت بخش حرم سرائے سالار عادل حضرت عمرؓ تھیں۔ روافض ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور اپنے موجودہ مجتہدوں سے استفتا کریں کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے۔ کہاں آپ کا انکار اور کہاں یہ شدومد سے اقرار اور وہ بھی ایک ایسے مستند شخص کی زبانی جس کی تکذیب خود ان کے مذہب کی تکذیب ہے۔ بے فائدہ ہاتھ پاؤں مارنے سے کیا حاصل۔ اگر دعوئے صداقت وحقانیت ہے تو مرد میدان بنکر سامنے آیئے۔ اپنی احادیث کی تکذیب کیجئے۔ اکابر پر توہین اہلبیت و نقض در اسلام کا جرم لگا کر اپنے مذہب کو ثابت کیجئے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ بدحواسی اور اضطراب کے عالم میں سچائی کا منہ چڑا کر پھر رفض کے دلدل میں جا دبکو اور کروٹ تک نہ لو۔ اس حدیث میں ایک اور نکتہ غریبہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ پر مستعدان عورتوں کے بارے میں امام صاحب نے ارشاد فرمایا ہے جو مدخولہ ہوں۔ جو لوگ نکاح کے تو معترف ہیں لیکن بعد از نکاح قربت زوجیت کا انکار کرتے ہیں وہ بھی توجہ کریں اور وفور غیظ و غضب میں اپنا منہ نوچتے ہیں۔

حدیث پنجم متعلق بعدت اُم کلثوم رضہ

محمد بن یحیی وغیرہ عن احمد بن محمد بن عیسی عن الحسین بن سعید عن النضر بن سوید عن ھشام بن سالم عن سلیمان بن خالد قال سالت اباعبداللہ علیہ السلام عن امراۃ توفی عنہا زوجہا این تعتد فی بیت زوجہا او حیث شاءت قال بل حیث شاءت ثم قال ان علیا صلوات اللہ علیہ لما مات عمر اتی ام کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بہا الی بیتہ۔ حدیث بیان کی محمد بن یحیی وغیرہ نے احمد بن محمد بن عیسی سے اس نے حسین بن سعید سے انہی نضر بن سوید سے اس نے ہشام بن سالم سے انہی سلیمان بن خالد سے کہا کہ میں نے سوال کیا ابا عبداللہ علیہ السلام

ہے اس عورت کے بارے میں کہ مر گیا ہو اس کا خاوند کیا وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گذارے یا جہاں چاہے۔ کہا ابو عبد اللہ نے بلکہ جہاں چاہے۔ پھر کہا کہ تحقیق حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مر گئے آئے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس اور لے گئے اس کو اپنے گھر میں۔ یہ حدیث مطلب و معنے کے لحاظ سے حدیث چہارم کی مؤید ہے صرف فرق اتنا ہے کہ یہ دوسرے طریق سے مروی ہے جو اس کی صداقت کا کفیل ہے۔ فروع کافی سے اتنی معتبر اور کثیر شہادت پیش کرنے کے بعد اب ہم ضرورت نہیں سمجھتے کہ اسی کتاب سے اور مزید شہادت قلمبند کریں۔

حدیث ششم اثبات نکاح از کتاب صافی

روافض کی دوسری مایۂ ناز کتاب الصافی شرح اصول الکافی ہے جس کے مصنف سرتاجِ محدثین ملا خلیل بن الغازی قزوینی ہیں۔ شیخ ابو جعفر طوسی نے جن کا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔ اپنی ایک کتاب میں جو احادیثِ غیبت صاحب الزمان پر مشتمل ہے۔ دو احادیث نبوی بیان فرمائی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا خلیل قزوینی کی نسبت روافض کا کیا عقیدہ ہے۔ چنانچہ دیباچہ کتاب میں لکھا ہے کہ روی عن النبی صلعم انہ قال یخرج بقزوین رجل اسمہ اسم نبی تسرع الناس الی طاعتہ المشرک والمومن یملء الجبال خوفا یعنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ فرمایا آپ نے کہ قزوین میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو ایک پیغمبر کا ہمنام[1] ہوگا۔ اور لوگ اس کی اطاعت کی طرف سرعت کرینگے۔ خواہ مشرک ہوں یا مومن اور وہ مرد بھر دیگا پہاڑوں کو خوف سے یعنے مہابت و شوکت کے کمال پر پہنچ جائیگا۔ دوسری حدیث بھی اسی مطلب کے مطابق ہے۔ اور ظاہر کرتی ہے کہ روافض کا ملا خلیل کی صداقت و دیانت پر حرف زنی کرنا معاذ اللہ حدیث پیغمبر کی تکذیب کرنا ہے۔ روافض کیلئے یہ امر بھی باعث صد حسرت و افسوس ہوگا کہ ملا خلیل نے بھی اپنی کتاب میں اس نکاح کا صاف لفظوں میں اقرار کر کے روافض پر ابدی لعنت کے تیر برسائے ہیں۔ جو لگنے سے سوہان روح ہو رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب الصافی شرح

---

[1] وہ پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں جن کا ہمنام ملا خلیل قزوینی مصنف کتاب صافی ہے۔

اصول کافی مطبوعہ نولکشور پریس کتاب الحجۃ جزو سوم ختم شعت و کیم صفحہ ۲۸۱–۲۸۲ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے آسمانی وصیت نامہ مندرج ہے۔ جس سے نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور جسے ہم دائرۃ الاصلاح کے رسالہ الموسوم شرح لعن را فضہ فی احراق بیت فاطمہ سے بلفظ نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا:

(۱) ان الوصیۃ نزلت من السماء علی محمد کتاباً لم ینزل علی محمد کتاباً مختوماً الا الوصیۃ فقال جبرئیل یا محمد ھذہ وصیتک فی امتک عند اھل البیت فقال رسول اللہ ای اھل بیتی یا جبرائیل قال نجیب اللہ منھم وذریتہ وکان علیھا خواتیم قال ففتح علی الخاتم الاول ومضٰی لما فیھا۔ اس حدیث کی شرح ملا خلیل قزوینی شرح صافی میں اس طرح کرتا ہے: بدرستیکہ وصیت نامہ رسول اللہ صلعم نازل شد از آسمان بر محمد بر حالیکہ مکتوب بود۔ نازل نشد بر محمد مکتوبے مہر کردہ شدہ مگر وصیت نامہ پس گفت جبرائیل اے محمد وصیت نامہ تو است برائے امت تو نزد اہلبیت تو۔ پس گفت رسول صلعم نزد کدام از اہلبیت من اے جبرائیل گفت نزد او کہ نزد اللہ تعالے نجیب است و ذریت او و بود بر آں وصیت نامہ دوازدہ آلت مہر کردن امام گفت یعنے امام جعفر گفت کہ راوی ایں حدیث است) پس کشود علی بعد از رسول آلت مہر اول را و رفت بر آں راہ کہ دراں نوشتہ شدہ بود تا آخر عمر خود۔ یعنے وصیت نامہ کتاب کی صورت میں سر بمہر آسمان سے رسول کریم پر نازل ہوا تھا۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے خاتم النبیین امت کے متعلق یہ آپ کا وصیت نامہ ہے جو آپ کی اہلبیت کے پاس رہیگا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ میرے اہلبیت میں سے کس کے پاس رہیگا؟ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کے پاس رہیگا کہ جو اللہ کے نزدیک نجیب ہے اور نیز اس کی اولاد کے پاس رہیگا۔ اور اس وصیت نامہ پر بارہ مہریں تھیں۔ جن میں سے جناب علی رضی اللہ عنہ نے پہلی مہر کھولی اور اس راہ پر تا آخر عمر چلتے رہے جس کے متعلق ان کو ہدایات تحریر شدہ وصیت نامہ میں ملی تھیں۔ اس حدیث میں تو نزول وصیت نامہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت کا مضمون بیان ہے۔ وہو ہذا۔

وکان فیما اشترط علیہ النبی بامر جبرئیل فیما امر اللہ تعالیٰ ان قال لہ

علی تبنی بما فیہا من موالات من والی اللہ ورسولہ والبراءۃ والعداوۃ لمن عادی اللہ ورسولہ والبراءۃ منہم علی الصبر منک علی الکظم الغیظ وعلی ذھاب حقک وغصب خمسک وانتہاک حرمتک قال نعم یا رسول اللہ صلعم"

اس کی شرح ملا صاحب موصوف اپنی صافی میں باین الفاظ کرتے ہیں "و بود از جملہ آنچہ شرط کرد بر علیؑ نبی صلعم بامر جبرائیل علیہ السلام درچیزہائے کہ امر کردہ بود اللہ عزوجل اینکہ گفت ادراسے علیؑ وفا میکنی بآنچہ در وصیت نامہ است آں دوستی کسے است کہ دوست داشتہ اللہ تعالےٰ و رسول اورا و نیز او دشمنی برائے جمع است کہ دشمن داشتہ اللہ تعالےٰ و رسول اورا و نیز آں جماعت بر پنج چیز است فرو بردن خشم از تو فرو بردن خشم و بر رفتن حق خلافت تو و غصب خمس تو و دریدن پردہ تو اشارت است بدا ماوی عمر رضؓ پس گفت آرے اے رسول اللہ صلعم" قریباً قریباً اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث اس سے آگے ہے۔ چونکہ وہ زیادہ مشرح ہے۔ اسلئے اس کا خلاصہ اردو میں لکھا جائیگا۔ حدیث کی عربی عبارت اس طرح پر درج ہے:-

"فقال امیر المومنینؑ..... لقد سمعت جبرائیلؑ تقول للنبی یا محمدؐ عرفہ انہ ینتہک الحرمۃ وھی حرمت اللہ وحرمۃ رسول اللہ صلعم وعلی ان یخضب لحیۃ من راسہ بدم عبیط قال امیر المومنینؑ فصعقیت حین فہم الکلمۃ من الامین جبرائیلؑ حتی سقطت علی وجہہ فقلت نعم رضیت وان انتہکت الحرمۃ وعطلت السنن ومزق الکتاب و ھدمت الکعبۃ وخضبت لحیتی من راسی بدم عبیط صابراً محتسباً ابداً حتی اقدم علیک"

اس حدیث کی شرح صاحب صافی یوں کرتا ہے "پس گفت امیر المومنین..... کہ ہر آئینہ شنیدم از جبرائیلؑ کہ برائے تکرار آنچہ رسول گفتہ بمن در باب پردہ دری میگفت نبی راسے محمدؐ بشناساں اورا کہ دریدہ مے شود پردہ وآں پردہ اللہ تعالےٰ وپردہ رسول او است وآں بالائے آں است کہ رنگ کردہ شود محاسن او از جانب سرش بخون خالص پس بنہایت مضطرب شدم وقتیکہ تکرار کردم وفہمیدم آں سخن را از جبرائیلؑ

این جا کہ مراد شکستن عہد نیست بلکہ مراد غصب دختر من است کہ بزور خواہند گرفت **اشارت است بغصب عمرؓ ام کلثوم فاطمہؑ را تا آنکہ افتادم بروئے خود گفتم آرے قبول کردم و راضی شدم** ہر چند کہ دریدہ شود پردہ و معطل شود سنت خدا و رسولؐ و پارہ پارہ کردہ شود احکام قرآن و خراب کردہ شود کعبہ و رنگین کردہ شود محاسن من از جانب سر من بخون خالص پر حالیکہ صبر کنندہ باشم حساب آنرا بقیامت انداز ندہ باشم تا وقتیکہ وارد شوم بر تو تا روز مرگ یا در روز قیامت"۔ یعنے جناب امیرؑ نے کہا کہ تحقیق میں نے جبرائیلؑ کو رسول کریمؐ سے یہ کہتے سُنا کہ اے محمدؐ پہنچا دے اس کو یعنے علیؑ کو کہ اسکی پردہ دری ہوگی اور وہ اس کے زخم سر سے زیادہ شدید ہوگی۔ جب میں نے جبرائیلؑ سے سُنا اور اس پر غور و فکر کیا تو میں بہت ہی مضطرب ہوا۔ **اسجگہ پردہ دری سے مراد میری بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہؑ کے زبردستی چھینے جانے سے ہے۔** یہاں تک کہ میں منہ کے بل گر پڑا اور کہا کہ میں نے قبول کیا اور میں راضی ہوا۔ خواہ میری پردہ دری ہو یا سنتِ خدا و رسول معطل ہو یا قرآن ٹکڑے ٹکڑے ہو یا خانہ کعبہ منہدم ہو یا سر کے زخم سے میرا چہرہ رنگین ہو تا دم مرگ صبر کرونگا اور اس پر قائم رہونگا ۔

حضرات روافض کیا ایسے جلیل القدر مصنف کی کتاب پڑھکر بھی کہو گے کہ نکاح ام کلثومؓ نہیں ہوا یا اسکی مجہول الکیفیت اور مضحکہ خیز تاویلیں کروگے؟ ہم نے مانا کہ آپکے مذہب

---

۱ اسجگہ حضرت ابوبکرؓ والی زعم ام کلثومؓ کی تاویل کا بھی ہمیشہ کیلئے قلع قمع ہوگیا ہے کیونکہ فاضل مصنف نے صاف طور پر تصریح کر دیا ہے کہ جو ام کلثوم حضرت عمرؓ کے حبالہ نکاح میں آئی تھیں وہ بنت فاطمہؓ تھیں

۲ یہ ہے روافض کا اپنے خدائی کے مالک امام کی نسبت بیان۔ بخدا جس قدر ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی ہتک عزت کی ہے کبھی کسی خارجی نے بھی نہ کی ہوگی۔ جامع احادیث آئمہ کلینی نے اس وصیت نامے سے نہ صرف تیار خدا کو آڑے ہاتھوں لیا ہے بلکہ خدائے قدیر کی بھی طاقت و جبروت کا خاکہ اُڑایا ہے۔ واہ! کیا ہی اچھی خدائی ہے جسے وحی نے ہی بنا کر خلقت کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ اُسی کو ہدایت ہو رہی ہے کہ خواہ کس قدر فسق و فجور اور ظلم و ستم پھیل جائے تم ٹس سے مس نہ ہونا۔ (العجب ثم العجب)

یہ کتمانِ حق و تلبیس جسے تقیہ کے غلط نام سے موسوم کرتے ہو باعث برکت و موجب ثواب ہے۔ لیکن بدیہات کو کہاں تک چھپا کر ذلیل و خوار ہوگے۔

اثباتِ نکاح از کتاب استبصار

روافض کے محدث اعظم علامہ ابو جعفر طوسی جو جناب شیخ مفید کے لائق شاگردوں میں سے ہیں۔ اور فن حدیث میں دو کتابیں تصنیف کرکے اپنے ہم مذہبوں سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ اپنی شہرہ آفاق کتاب الاستبصار فی اختلف من الاخبار جلد ثانی ص۱۸۵ مطبوعہ مطبع جعفریہ لکھنؤ میں اس نکاح کے اثبات میں دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ جو روافض کے سینے پر مونگ دل رہی ہیں۔ محدث صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں صداقت حدیث کیلئے ایک معیار بھی قائم کیا ہے جس کا ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر احادیث اگر ایک ہی مضمون پر ملیں اور ان میں کوئی تخالف و تضاد نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہوں تو وہ ہر دو احادیث قابل قبول اور واجب العمل ٹھہرینگی۔ چنانچہ نکاح ام کلثوم رضا کے بارے میں آپ نے ایسی ہی دو احادیث نقل کی ہیں۔ جو ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لئے درج ذیل ہیں۔ محمد بن یعقوب عن حمید بن زیاد عن ابن سماعۃ عن محمد بن زیاد عن عبد اللہ بن سنان و معویہ بن عمار عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ عن المراۃ المتوفی عنہا زوجہا تعتد فی بیتہا او حیث شاءت قال بل حیث شاءت ان علیا علیہ السلام لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بہا الی بیتہ۔ حدیث بیان کی مجھ سے محمد بن یعقوب نے اس نے حمید بن زیاد سے اس نے ابن سماعہ سے اس نے محمد بن زیاد سے اس نے عبد اللہ بن سنان سے اور معویہ بن عمار سے ان دونوں نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے کہ پوچھا میں نے اس عورت کے بارے میں کہ جس کا خاوند مرگیا ہو کہاں وہ عدت گذارے اپنے گھر میں یا جہاں چاہے کہا ابو عبد اللہ علیہ السلام نے بلکہ جہاں چاہے تحقیق علیؑ جب فوت ہوگئے حضرت عمر رضا آئے طرف ام کلثوم کے اور لیگئے اسکو اپنے گھر۔

(۸) الحسین بن سعید عن سلیمان بن خالد قال سالت اباعبد اللہ علیہ السلام عن المرأۃ توفی عنہا زوجہا این تعتد فی بیت زوجہا او حیث شاءت قال حیث شاءت ثم قال ان علیاً علیہ السلام لما مات عمر اتی ام کلثوم فاخذ بیدہا فانطلق بہا الی بیتہ۔ یعنے حدیث بیان کی حسین بن سعید نے اس نے ہشام سے اس نے سلیمان بن خالد سے کہا کہ میں نے سوال کیا ابا عبد اللہ علیہ السلام سے اس عورت کی نسبت کہ مر گیا ہو اس کا خاوند کہاں عدت گذارے وہ اپنے خاوند کے گھر میں یا جہاں چاہے کہا جہاں چاہے پھر کہا کہ تحقیق علی علیہ السلام جب فوت ہو گئے حضرت عمرؓ آئے طرف ام کلثوم کے پس پکڑ لیا اس کا ہاتھ اور لیگئے اس کو گھر کی طرف۔

مندرجہ بالا احادیث ہویدا کرتی ہیں کہ ابوجعفر طوسی بھی نکاح کے معترف ہیں۔ اگر آجکل چند عالم نما جاہل یا اُن کے جھوٹ اپنے غیرے نتھو خیرے اس کا انکار کریں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

اثبات نکاح از کتاب تہذیب

تہذیبؔ میں جو مذہب اثنا عشریہ (روافض) میں حدیث کی ایک نہایت معتبر کتاب ہے۔ اور جس کے مصنف علامہ طوسی ہیں ایک حدیث بیان کی گئی ہے جو نکاح ام کلثومؓ کے واقعہ کو بسند ائمہ کرام علی الاعلان ثابت کر رہی ہے۔ وہو ہذا۔

قال عن محمد بن احمد بن یحیٰی بن جعفر بن محمد القمی عن القداح جعفر عن ابیہ علیہ السلام قال مات ام کلثوم بنت علی علیہ السلام وابنہا زید بن عمر الخطاب فی ساعۃ واحدۃ ولا یدری ایہما ھلک قبل فلم تورث احدھما من الآخر وصلی علیہما جمیعاً یعنے ام کلثوم بنت علی علیہ السلام اور اس کا بیٹا زید بن عمر الخطابؓ ایک ہی ساعت میں فوت ہوئے

لہ روافض کے ہاں اہلسنت والجماعت کی صحاح ستہ کے مقابلہ میں صحاح اربعہ مشہور کتب احادیث ہیں۔ چنانچہ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ کافی۔ تہذیب۔ استبصار۔ اور من لا یحضرہ الفقیہ۔

اور یہ معلوم ہو سکا کہ پہلے کون مرا بس ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوا۔ اور سب نے دونوں کی نماز جنازہ ادا کی۔

ایسے مستند اقوال کی تکذیب کرنا سچائی کا منہ چڑانا ہے۔ اور روافض جو اسکے تسلیم کرنے میں پس و پیش کر رہے ہیں ان کا انکار کسی نیک نیتی اور تلاش حق پر مبنی نہیں بلکہ محض تعصب اور بغض کی خاطر ہے۔ جو ان کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے لہٰذا یہ طریقہ احقاق حق کا نہیں۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ بھی نکاح کے مقر ہیں

صاحب کنز مکتوم صفحہ پر یوں لکھتے ہیں کہ "پہلی صورت یعنی در صورت عدم تزویج عقد تو کوئی بات ہی نہیں جیسا کہ فی الواقع یہی ہے۔ نہ عقد ہوا نہ خطبہ نہ دوسرا کوئی امر چنانچہ بہت سے اکابر الحق اس قصہ کے بالمرہ منکر ہیں۔ چنانچہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ استاد سید مرتضےٰ علم الہدیٰ جن سے سیدۃ النساء نے اپنی اولاد کی تعلیم کی خواہش کی اور جناب امیر نے بہ خلعت فاخرہ انت شیخی و معتمدی مخلع فرمایا اور دیگر حضرات باوصف قرب عہد آئمہ معصومین علیہم السلام اس واقع سے بالکلیہ انکار کرتے ہیں" یہ ان متعصب شیعوں کا قول ہے۔ جو جو یائے امر حق کی طرف مائل نہیں ہوتے اور اس قول لایعنی و بیہودہ کو۔ جو صداقت و راستی سے اتنا ہی دور ہے جتنا ایمان کفر سے یا نور ظلمت سے۔ بیان کر کے اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم رہے۔ کہ وہ اس عذر وحید سے نہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امر حق کو چھپا سکتے ہیں۔ بلکہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ سید مرتضےٰ علم الہدیٰ شیخ مفید کے شاگرد تھے۔ اور تمام علوم میں ان سے استفادہ کیا ہے بلکہ خود شیخ مفید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ عالم رویا میں وہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رض کی زیارت سے مشرف ہوئے اور سیدہ معصومہ نے فرمایا کہ میرے ان دو بچوں کو تعلیم دو۔ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ سیدہ ابو احمد والدہ سید مرتضےٰ و سید رضی اپنے دونوں بچوں کو لئے ہوئے آئے۔ اور کہا کہ ان کو تعلیم دیجئے۔ یہ ماجرا مشاہدہ کر کے شیخ

سفید رو پڑے اور ان سے خواب کا قصہ بیان کیا۔ چنانچہ یہی سید صاحب اپنی تالیفات **شافی و تنزیہ الانبیاء والائمہ** میں اس نکاح کا نہایت وثوق سے اقرار کرتے ہیں اور روافض بھی اس امر کے مقر ہیں چنانچہ ترجمہ **اثنا عشریہ** میں ان کا قول یوں مرقوم ہے ذکر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ در کتاب تنزیہ الانبیاء میفرماید **فاما النکاح فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن هذا الباب مشروحاً و بینا انہ علیہ السلام ما اجاب عمر الی النکاح ابنتہ الا بعد توعد و تہدد و مراجعة و منازعة و کلام طویل ماثور اشفق معہ من سوء الحال و ظہور ما لا یزال یخفیہ۔** خلاصہ اس کلام کا یہ ہے کہ اس نکاح کے متعلق ہم نے اپنی کتاب **شافی** میں بہ تفصیل جواب دیا ہے۔ اور وہاں ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ حضرت امیر نے اپنی بیٹی کا نکاح عمرؓ سے بہ طیب خاطر نہیں کیا بلکہ یہ عقد بعد اس کے ہوا ہے کہ عمرؓ نے بار بار حضرت امیر سے درخواست کی اور نوبت تخویف و تہدید و منازعت تک پہنچی۔

مواعظ حسنیہ میں مولوی سید دلدار علی

نے جو روافض کے نزدیک ایک بلند پایہ مجتہد شمار کئے جاتے ہیں۔ سید مرتضےٰ کے قول محولہ بالا کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور اس کی نسبت لکھا ہے کہ سید مرتضےٰ نے فرمایا ہے کہ تزویج ام کلثوم حضرت امیر کے اختیار سے نہیں ہوئی۔ اور بہت سی احادیث انہوں نے اس قول کے ثبوت میں بیان کی ہیں۔ اور جبکہ یہ اختیار حضرت امیر کے نکاح کا ہونا ثابت نہیں ہوا۔ تو پھر محل اشکال باقی نہ رہا۔ اس جہت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ نکاح ضرور ہوا خواہ بہ جبر و اکراہ ہوا خواہ بہ فرحت و انبساط لیکن اتنا ضرور ہے **کہ حضرت ام کلثوم رضؓ ضرور رونق افروز خانہ خلیفہ ثانی رہیں۔**

حضرت علیؓ کی کتاب نہج البلاغة کی شیعی شرح سے بھی یہ نکاح ثابت ہے

عز الدین ابی حامد عبد الحمید بن ہبة اللہ المدائنی الشہیر بابن ابی الحدید جو حضرات روافض میں نسے ہی بلند پایہ عالم شمار کئے جاتے ہیں جیسا کہ قاضی نور اللہ شستری یا

علامہ مجلسی اپنی مشہور کتاب شرح نہج البلاغۃ جز ثانی صفحہ ۴۲ مطبوعہ مطبع دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، میں یوں رقمطراز ہیں:-

جاء عمر الی مجلس المهاجرين فی الروضة وكان يجلس فيها المهاجرون الاولون فقال رفئونی رفئونی قالوا بماذا يا امير المومنين قال تزوجت ام كلثوم بنت علی بن ابی طالب سمعت رسول الله صلی الله عليه واله يقول كل سبب ونسب وصهر ينقطع يوم القيامة الا سببی ونسبی وصهری " اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ نکاح ضرور ہوا۔ روافض لاکھ سر پٹکیں لیکن حق کو کہاں تک چھپا سکیں گے۔ ہاں توجیہات باطلہ سے اپنے نامۂ اعمال کے اوراق سیاہ کرتے رہیں گے۔

قاضی نور اللہ شوستری کو بھی اس نکاح کا اعتراف ہے

قاضی نور اللہ شوستری جو روافض میں شہید ثالث یا شہید رابع کے القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں۔ مجالس المؤمنین میں اس نکاح کا اقرار متعدد مجلسوں میں کرکے اپنے فرقۂ ضالہ کی امید و آرزو کا خون ان لفظوں میں کرتے ہیں۔ کہ اگر نبی دختر بہ عثمانؓ داد ولی دختر بہ عمرؓ فرستاد یعنے اگر جناب رسول اللہ صلعم نے اپنی بیٹی حضرت عثمانؓ کے حبالۂ نکاح میں دی تو ولی یعنے حضرت علیؓ نے بھی اپنی بیٹی حضرت عمرؓ کے ہاں بھیجی یا بالفاظ دیگر اگر نبی صلعم کا اپنی بیٹی حضرت عثمان رضؓ سے بیاہ دینا باعث ہتک نبوی (معاذ اللہ) نہیں ہو سکتا تو حضرت علیؓ کا اپنی بیٹی کو حضرت عمرؓ کی زوجیت میں دینا ان کے شان کے منافی نہیں ہو سکتا۔ لیکن روافض کے متاخرین نے اس فقرے کو ذہنی تسلیم کیا ہے۔ اور اس کی یوں تاویل کی ہے۔ کہ اگر حرف شرط صاف ظاہر کر رہا ہے

ترجمہ:۔ حضرت عمرؓ ایک روضہ میں آئے جہاں کہ جلیل القدر مہاجرین بیٹھے ہوئے تھے اور کہا کہ مجھے مبارک دو مجھے مبارک دو۔ انہوں نے پوچھا یا امیر المومنین کس بات پر آپ نے فرمایا کہ میں نے ام کلثومؓ بنت علیؓ سے نکاح کر لیا ہے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہوا تھا کہ قیامت کے دن تمام قسم کے تعلقات نسبی و دامادی منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے سبب نسب اور صہر کے۔

کرتے تو حضرت رسول صلعم نے اپنی بیٹی کا عثمان رضہ سے نکاح کیا اور بہ خوشی دل سے عمر رضہ سے
اس تاویل پر ہم بحث کرنا فضول خیال کرتے ہیں کیونکہ

(۱۴) اسی کتاب میں قاضی صاحب نے ابوالحسن **علی** بن اسمٰعیل شیعی اثناعشری (جس کی نسبت امام اعظم امامیہ خلاصۃ الاقوال میں فرماتے ہیں کہ وہی پہلا شخص ہے جس نے موافق قاعدہ علماء کرام کے مذہب اہلبیت کے اثبات میں گفتگو کی ہے) کے قول کو نقل کیا ہے وہو ہذا۔ او را از چند امر پرسیدند کہ از انجملہ نکاح خلیفہ ثانی ست جواب داد کہ دادن دختر بہ عمر کہ جناب امیرالمومنین را اتفاق افتاد باین جہت بود کہ اظہار شہادتین مے نمود بزبان و اقرار بفضل حضرت امیر مے کرد و دیگر باب اصلاح غلظت و فظاظت او نیز منظور بود۔ یعنے ان سے چند امور کی بابت پوچھا کہ جن میں ایک عقد نکاح خلیفہ ثانی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت امیر کو جو یہ اتفاق پیش آیا کہ اپنی بیٹی حضرت عمر رضہ سے بیاہ دی اس سبب سے ہوا کہ اظہار شہادتین کرتا تھا اور فضیلت حضرت علیؓ کا مقر تھا اور نیز اس وجہ سے بھی کہ اسکی طبع درشت اور اکھڑ کی اصلاح منظور تھی (معاذ اللہ) اگر اس کتاب میں ایک ہی حدیث ہوتی تو شاید کسی ایک کور باطنوں پر **اگر صرف رفضی** والی اور کسی تاویل کا جادو چل جاتا مگر دوسری حدیث نے تو اس کے امکان کا قصہ ہی پاک کر دیا اور ایسے واضح طریقہ پر اقرار نکاح کو ثابت کیا کہ اس کے بعد منکرین نکاح اگر انکار کریں تو لامحالہ ان کی شان میں کہنا پڑیگا ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ۔ رافضی اس بین شہادت کی تاویل تو کیا کرینگے۔ لیکن حضرت علی رضہ نے عمر رضہ کی درشتی طبع کی اصلاح کا کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کا ذکر روافض اور ان کے علما کو ہی زیبا ہے۔ اسی کا نام محبِ اہلبیت ہے۔ فاعتبرو **یا اولی الابصار** ؁

(۱۵) پھر اسی صحیفہ کاملہ میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر الطیار بعد از فوت عمر بن خطاب رضہ بشرف مصاہرت حضرت امیرالمومنین مشرف گشتہ ام کلثوم را کہ از روئے اکراہ در حبالۂ عمر بود تزویج نمود۔ یعنے کہ محمد بن جعفر طیار حضرت عمر رضہ کی فوتیدگی کے بعد حضرت امیرالمومنین کی دامادی سے مشرف ہوئے اور ام کلثوم کو جو از روئے اکراہ حضرت عمر رضہ کے حبالۂ نکاح میں تھیں۔ اپنی زوجیت میں لائے ؁

کیا اس قول سے بھی تسلیم و فرضیت کا پہلو نکلتا ہے۔ روافض غور کریں شاید کوئی پہلو انکار یا تکذیب کا نکل آئے ؟

سیف صارم کے مؤلف صاحب بھی اس نکاح کے قائل ہیں

محمد علی اثنا عشری نے اپنی کتاب سیف صارم الملقب والموسوم بہ شمشیر تیز جو ۱۲۶۲ھ میں مطبع اثنا عشریہ میں طبع ہوئی۔ حدیث ھو اول فرج غصبت منا کی تفسیر میں اڑتالیس صفحات لکھے ہیں۔ اور امہات المومنین و صحابہ کرام کے بغض و بغض کی سیاہی سے جی بھر کر اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا ہے۔ اور تقریر طویل و لاطائل کرتے ہوئے اپنے بیان ہذیان نشان کو صفحہ ۳۲۵ پر یوں ختم کیا ہے "المختصر بات یہ ہے کہ مقصود و مرام کلام امام سے جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ ہے کہ نکاح اس جناب مستورہ معصومہ کا بغیر طیب خاطر او بیا بطریق اکراہ و اضطرار و نارضامندی و اجبار واقع ہوا۔ اول نکاح ہے خاندان اہلبیت طاہرہ میں۔ باقی حال مفصل از روئے احادیث مشرح ائمہ اہلبیت کتاب شافی اور تنزیہ الانبیا سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمۃ اور ھوا عظا حسنیہ جناب غفران مآب وغیرہ کتب حقہ میں جو اہل ایمان تصریح دیکھنا چاہیں تو وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔ صاف واضح ہو گا کہ وصلت قربت زن و شوہر ہرگز وقوع میں نہیں آئی۔ بلکہ بطریقہ اہلبیت طاہرہ روایات صحیحہ مخبر ہیں اس بات کی کہ ظاہر میں یہ رنج و صعوبت و تھنک مولائے مومنین نے سہہ لیا لیکن حقیقت میں قربت و مواصلت با معصومہ ہرگز وقوع میں نہیں آئی۔ بلکہ از راہ اعجاز بعنایت کریم کارساز ایک جنیہ بشکل جناب معصومہ حوالہ کی گئی اور جناب معصومہ تا حیات شیخ فانی نظر سے لوگوں کی غائب کی گئیں و مزید التفریح فی المبسوطات "

عبارت مذکورہ بالا سے نکاح بھی بلا شک و ریب ثابت ہو گیا۔ اور ان احادیث و اقوال کی تائید بھی بخوبی ہو گئی جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ یہی روایت حضرات اثنا عشری کے قطب الاقطاب راوندی کی کتاب خرائج و جرائح میں بھی بتفصیل مرقوم ہے۔ روایت کا آخری حصہ یاروں کا جانا پہچانا فقرہ ہے۔ اور اس سے

وضع کیا گیا ہے کہ زتو اس سے نکاح ثابت ہوتا ہے نہ ہی حضرت امیر کی عاجزی مترشح ہوتی ہے۔ نہ کوئی معصوم پر حرف آتا ہے۔ اور نہ ہی اہلبیت کے ننگ و ناموس کو بٹا لگتا ہے۔ لیکن مولوی صاحب نے جو نیرہویں صدی کے گل دوپہر ہیں۔ اتنا خیال نہ کیا کہ بیچے بھی جنّی نے ہی جنے تھے اور بقول محمد التقی وفات بھی اسی جنیہ نے پائی تھی

ابوالقاسم قمی بھی نکاح اُم کلثوم رضہ کو تسلیم کرتے ہیں

ابوالقاسم قمی جو روافض میں ایک بلند پایہ فقیہہ شمار کئے جاتے ہیں۔ اپنی مشہور اور مستند تصنیف شرح شرائع جس کا نام مسالک ہے۔ صاحب شرائع کے اس قول کے تحت میں جس میں عربی عورت اور عجمی مرد اور غیر ہاشمی مرد اور اس کے بالعکس نکاح کا جواز دیا گیا ہے۔ نہایت وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ زوج علی بنتہ ام کلثوم من عمر یعنی نکاح کیا حضرت علی رضہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا ساتھ عمر رضہ کے۔ گویا اس نکاح کو بطور نظیر کے پیش کیا گیا ہے۔ جس سے مسئلہ زیر بحث کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور روافض کے اس خیال کی بھی کہ بنی ہاشم سوائے بنی ہاشم کے اور کہیں تزویج نہیں کر سکتے خاطر خواہ تردید ہوتی ہے۔ صاحب کنز مکتوم کا یہ اعتراض جو زیر عنوان لزوم فسادات درصورت تسلیم عقد بہ اہلسنت کہ اگر عمر رضہ نے ایسا قصد کیا اور عقد ہوا تو لازم آتا ہے۔ کہ انہوں نے احکام خدا و رسول کو باطل کر دیا۔ کیونکہ بخوبی اُن کے ہاں ثابت ہے کہ بنی ہاشم کا کفو ہمسر غیر بنی ہاشم نہیں ہو سکتا۔ جو وہ بنا بر صواعق محرقہ و ان اللہ الخ سے نقل کرتا ہے۔ تین قسم کی کذب بیانی پر مبنی ہے (۱) کتب محولہ بالا میں یہ کہیں مرقوم نہیں۔ وہاں تو صرف یہ ذکر ہے کہ کفو میں نسب کا امتیاز کیا جاتا ہے بس قریش قریش کے اور عرب عرب کے کفو ہیں۔ (۲) کفو کا سوال لڑکی دینے کے وقت پیدا ہونا چاہئے نہ کہ لڑکی لینے کے وقت کیونکہ اہلسنت کے ہاں تو نصرانیہ اور یہودیہ سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ مگر مسلمہ کا نصرانی اور یہودی سے نکاح جائز نہیں۔ (۳) اہل تشیع کے اعتقادات کو عمداً بدنیتی سے نظر انداز کیا گیا ہے جن کی رو سے غیر ہاشمی اور ہاشمی عورت سے نکاح درست ہے۔ چنانچہ حضرت سکینہ رضہ بنت امام حسین رضہ نے یکے بعد دیگرے تین نکاح غیر ہاشمیوں سے کئے یعنی

مصعب بن زبیر (۲) عبداللہ بن عمرو (۳) عبدالعزیز بن مروان) پس چونکہ حضرت علی رضہ کے اعتقاد کے مطابق ام کلثوم رضہ کا نکاح حضرت عمر رضہ کے ساتھ شرعاً جائز تھا اسلئے یہ نکاح عمل میں آیا۔ لہذا اس نکاح سے اہلسنت کے اعتقاد میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

شوستری صاحب کا مکرّر اقرارِ نکاح

قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں اس نکاح کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں: "وصاحب استغاثہ گفتہ کہ قاضی از اہل خلاف گفتہ کہ علت چیست در تزویج امیرالمومنین علیہ السلام ابنتہ خود را بعمر بن الخطاب وما میگوئیم کہ خبر دادہ اند ما را جماعتے از مشائخ ثقات ما از ایشان جعفر بن محمد بن مالک کوفی است از احمد بن فضل از محمد بن ابی عمیر از عبداللہ بن سنان گفت سوال کردم جعفر بن محمد صادق را علیہ السلام از تزویج عمر از ام کلثوم۔ پس گفت این اول فرجے است کہ غصب کردہ شد از ما واین خبر مشاکل آن خبریست کہ روایت کردہ اند آن را از مشائخ ما در تزویج عمر از ام کلثوم و آن این ہست کہ در خبر ست کہ عمر عباس را نزد علی فرستاد و سوال کرد کہ تزویج کند ام کلثوم باو۔ پس آنحضرت امتناع کرد و چون عباس بازگشت و خبر امتناع علی علیہ السلام بعمر رسانید پس عمر گفت اے عباس آیا انف میکند علی از تزویج من۔ واللہ اگر تزویج نکند او را خواہم کشت پس عباس باز آمد بسوئے علی و آن حضرت در مقام امتناع استاد پس خبر داد عباس عمر را او گفت اے عباس حاضر شو روز جمعہ در مسجد و قریب بہ منبر باش و بشنو آنچہ مذکور خواہد شد پس خواہی دانست کہ من قادرم بہ قتل او اگر ارادہ کنم۔ پس حاضر شد عباس در مسجد چون عمر فارغ از خطبہ شد گفت اے مردم درینجا مردی از اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہست کہ زنا کردہ و او محصن ست و مطلع شدہ بر آن امیرالمومنین۔ شما درین باب چہ میگوئید پس مردم از ہر جانب گفتند کہ ہرگاہ امیرالمومنین اطلاع یافتہ باشد چہ حاجت است کہ مطلع شود بر آن غیر او باید کہ امضا کند حکم خدا را در و۔ چون از مسجد باز آمد بعباس گفت برو نزد علی و معلوم او کن آنچہ شنیدی پس واللہ اگر

نکند من میکنم پس عباس نزد علی رفت وآنچه شنیده بود بر سمع آنحضرت رسانید علی فرمود من میدانم که این نزد او آسان است ومن نیستم که بکنم آنچه او التماس میکند پس عباس گفت اگر نمیکنی من میکنم وقسم میدهم ترا که مخالفت قول وفعل ما ننمائی پس عباس نزد عمر رفت وگفت میکنی آنچه اراده کردهٔ پس جمع کرد عمر مردم را وگفت این عباس عم علی ابن ابی طالب است - واو امر ابنتهٔ خود ام کلثوم را باو رجوع کرده وامر کرده او را که تزویج کند از برائے من پس تزویج نمود عباس وبعد از اندک مدتے نزد عمر فرستاد واصحاب حدیث این روایت را قبول نکرده لیکن خلافے نیست میان ایشان در این که عباس تزویج نموده ام کلثوم را بعمر بعد از طول مطالبه ومدافعه پس میگوئم کسے را که انکار کرده این حکایت را از فعل عمر آنکه تزویج عباس ام کلثوم را نبود مگر از جهت چیزے که روایت کرده اند از مشائخ ما چنانچه حکایت کردیم ودر این مشکل روایتی است که از صادق علیه السلام کرده اند که گفته این اول فرجی است که از ما غصب کرده اند۔ یعنے صاحب استغاثہ فرماتے ہیں کہ ایک مخالف نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح عمر بن الخطاب سے کر دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کو خبر دی ہے ایک جماعت نے ہمارے مشائخ ثقات سے جن میں سے جعفر بن محمدؒ بن مالک کوفی ہیں۔ انہوں نے احمد بن نفض سے انہوں نے محمدؒ بن ابی عمیر سے انہوں نے عبداللہ بن سنان سے کہ میں نے سوال کیا امام جعفرؑ سے بابت نکاح ام کلثوم رضؓ کے انہوں نے جواب دیا کہ وہ اول فرج غصبت منّا کہ یہ پہلی فرج ہے جو ہم سے غصب کی گئی ہے اور یہ خبر مطابق اس خبر کے ہے جس کو ہمارے مشائخ نے بابت نکاح ام کلثوم رضؓ کے ساتھ عمر رضؓ کے روایت کیا ہے۔ وارده یہ ہے کہ عمر رضؓ نے عباس رضؓ کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ نکاح ام کلثوم رضؓ کا ان کے ساتھ کر دیا جائے حضرت امیر نے انکار کیا۔ جب حضرت عباس رضؓ یہ خبر عمر رضؓ کے پاس لائے تب عمر رضؓ نے کہا کہ اگر علی رضؓ میرے ساتھ نکاح اپنی بیٹی کا نہ کر دیں گے تو ان کو قتل کر دونگا۔ پھر حضرت عباس رضؓ حضرت علی رضؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے جب بھی انکار کیا یہاں تک کہ آخر حضرت عباس رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے کہا کہ اگر تم نکاح نہیں کرتے ہو تو میں کئے دیتا ہوں اور تم کو قسم

دیتا ہوں کہ میرے قول و فعل کے خلاف نہ کرنا اور یہ کہ کہ حضرت عباسؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ نکاح تمہارا ام کلثوم رضؓ کے ساتھ پہنچا جاتا ہے۔ پس عمرؓ نے آدمیوں کو جمع کیا اور کہا کہ یہ عباسؓ چچا علیؓ کے ہیں۔ اور علیؓ نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضؓ کا ان کو اختیار دیا ہے۔ اور ان کے نکاح کر دینے کو ساتھ میرے اجازت دی ہے پس حضرت عباسؓ نے نکاح ام کلثوم رضؓ کا ساتھ عمر رضؓ کے کر دیا۔ اور بعد تھوڑی مدت کے ان کو عمرؓ کے گھر بھیج دیا۔ اصحاب حدیث اس روایت کو قبول نہیں کرتے لیکن ان کے درمیان اس امر میں اختلاف نہیں کہ عباس رضؓ نے ام کلثوم رضؓ کا نکاح ساتھ عمر رضؓ کے کر دیا۔ بعد بہت جھگڑے اور مطالبہ کے۔ پس میں (قاضی نور اللہ شوستری) کہتا ہوں کہ جس کسی نے اس حکایت سے انکار کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت عباس رضؓ نے ام کلثوم رضؓ کا نکاح ساتھ عمرؓ کے نہیں کیا۔ مگر بسبب اس کے جس کو ہمارے مشائخ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ مطابق اس روایت کے ہے۔ جو امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام نے فرمایا کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے غصب کی گئی ہے ۔

مولانا محمد حسین موسوی کو بھی اس نکاح کا اعتراف ہے

ام کلثوم رضؓ کے نکاح کے متعلق مولانا محمد حسین موسوی بھی جو شیعوں کی نظروں میں فاروق اعظم رضؓ سے بھی افضل ہیں۔ حسب ذیل عبارت تحریر فرماتے ہیں۔

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قال خطب عمر الی علی بنتہ من فاطمہ فانکحہا ایاہ فولدت زید بن عمر فعاشی حتی کان رجلاً ...

یعنے حضرت عمرؓ کی خواستگاری پر حضرت علی رضؓ نے اپنی بیٹی کا جو حضرت فاطمہؓ سے تھیں نکاح کر دیا۔ اس سے زید بن عمرؓ پیدا ہوئے جو پل کر جوان ہوئے۔ (کتاب شہادت ص۳۹۸)

روافض اپنی روایات کو جھٹلائیں تو!!!

الغرض روایات نکاح ام کلثوم رضؓ روافض کی کتب احادیث فقہ۔ اخبار اور

کلام میں اس کثرت سے روایات کی گئی ہیں کہ وہ ایک تواتر کا درجہ رکھتی ہیں اور اگر ایسی مستحکم و مربوط روایات کا محض بغض و تعصب سے انکار کر دیا جائے۔ تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا کہ ہم گذشتہ زمانہ کے کسی واقع کا بھی خواہ وہ کس قدر سچا ہو ہرگز اقرار نہ کر سکیں گے۔ بلکہ ہر واقع کی صحت کا بطلان ایک لفظ "نہیں" سے ہو سکیگا۔ اور خدا جانے وہ کونسا ذریعہ ہوگا جس کے توسل سے ہم امر حق تک رجوع کر سکیں۔ یا معترض کو یقین دلا سکیں کہ یہ واقع ضرور ہوا۔ مثال کے طور پر واقع کربلا کو ہی لیجئے۔ اگر کوئی شوخئ طبع سے اس کی تکذیب پر آمادہ ہو جائے اور ان تمام احادیث و اخبار کا جو اس کے متعلق کتب سابقہ میں مذکور ہیں بالارادہ منکر ہو تو کیا کوئی طاقت دنیا میں ایسی موجود ہے جو اسے اس امر کا یقین دلا سکے کہ یہ واقع معرض ظہور میں آیا تھا۔ ایسے مذہبی مخالفین کا جواب سوائے اس کے کہ زجاہل گریزندہ چوں تیر باش اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور بعینہ یہی حالت ان روافض کی ہے جو بلا دلیل اس واقع کا انکار کر رہے ہیں۔ اور ذرہ بھر نہیں سوچتے کہ ایک ایسی متواتر خبر کو صرف اس لئے جھٹلانا کہ وہ اس کی کوئی معقول توجیہ بیان نہیں کر سکتے۔ ان کی عاجزی و بے بسی کی روشن دلیل ہے۔ اگرچہ وہ نہایت شوخ چشمی سے آخر دم تک یہی کہے چلے جائیں کہ یہ تو موضوعات میں سے ہے۔ اور ان کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ نہایت تعجب کا مقام ہے۔ کہ روافض کے اکابر تو اس واقع کو بہ سند صحیح آئمہ کرام سے اپنی کتب احادیث میں مندرج کریں۔ اس کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہ لائیں فقہی مسائل کا استخراج ان سے کریں۔ لیکن ان کے متاخرین اس خاص مسئلہ کے بارے میں اپنی سنہری و روپہلی مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے صاف انکار کر کے اسے موضوعات اور مخترعات کی شق میں داخل کریں۔ اور ذرہ بھر نہ شرمائیں۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقع موضوعات میں سے تھا تو روافض ہی بتائیں کہ ان کے اکابر کو ایسی کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہوں نے حدیث متعلقہ نکاح ام کلثوم کو بعد جرح و قدح و چھان بین کے اپنی کتب میں رقم کیا اور پھر اس کی ایسی لایعنی و مضحکہ خیز تاویلیں بیان کیں جو ان کی فہم و فراست کا ماتم کر رہی ہیں۔ یا متاخرین

کو کیوں ضرورت لاحق ہوئی۔ کہ انہوں نے ام کلثوم رضؓ کے بنت مرتضوی ہونیکا انکار کیا اور ام کلثوم رضؓ بنت ابو بکر رضؓ کی خیالی دو ہی تزویج سے اس اعتراض کے دفعیہ کا بہانہ ڈھونڈا۔ یہ تمام واقعات ببانگ دہل اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ روافض اس معاملہ میں اس قدر بے دست وپا ہو چکے ہیں۔ کہ کوئی بات بنائے بن نہیں پڑتی۔ اگر یہ واقعہ ایک دو روز کا ہوتا تو شاید حریفوں کا حربہ تلبیس کارگر ہو جاتا۔ لیکن جب حضرت ام کلثوم رضؓ سالہا سال تک زینت افزائے کاشانہ فاروق اعظم رہی ہوں اور صاحب اولاد بھی ہوئی ہوں اور بعد شہادت حضرت عمر رضؓ نکاح ثانی بھی کیا ہو اور ان تمام واقعات کا ذکر مخالف ومطابق کتب احادیث وسیر و تواریخ میں بکثرت موجود ہو تو حضرات روافض کا ایسی بدیہات سے انکار کرنا محض جھک مارنا ہے۔

روافض کے وساوس کا دفعیہ

اس نکاح کے متعلق خود روافض میں دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے اپنے مقدور بھر اس واقعہ کے بطلان کی کوشش کی ہے، چنانچہ پہلا گروہ ان اصحاب پر مشتمل ہے۔ جنہوں نے اس نکاح کا بالکلیہ انکار کیا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل وجوہات پیش کی ہیں:۔

ردِ وسوسہ اوّل کہ اکابرین روافض منکرین نکاح ہیں

(۱) اکابر روافض مثلاً شیخ مفید وسید مرتضےٰ علم الہدیٰ جن کا زمانہ قریب زمانہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے تھا وہ سب عقد مذکور کو باطل جانتے ہیں (کذا فی کلثوم) روافض کا یہ بیان ان کی لاعلمی پر شاہد ہے۔ اور صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ فرقہ ضالہ اپنے مذہب سے اس قدر جاہل واقع ہوا ہے کہ اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عالم اور جاہل سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور بجز سب وشتم یعنی تبرائی ژٹلیات یا چند واقعات باطلہ کے جو شعبدہ تخیل نے مراثی میں جمع کر دیئے ہیں۔ اور کچھ نہیں جانتے۔ اور یہی ان کی متاع مذہب ہے۔ ہم اوراق اسبق میں بیان کر آئے ہیں۔ کہ سید مرتضےٰ جو

۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اس نکاح کے مقر ہیں۔ اور محقق طوسی بھی علیٰ ہذا القیاس۔
یہ دونوں اکابر روافض شیخ مفید کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اور مذہب رافضیہ
کے ستون شمار کئے جاتے ہیں۔ ان ہر دو حضرات نے یا تو اس واقعہ کی تصدیق
اپنے استاد سے کر کے اسے اپنی کتب میں درج کیا یا اپنے استاد کی اصلاح کی
اور بعد غور و خوض کے اسے صحیح تسلیم کرتے ہوئے سر نیاز خم کیا۔ کلینی نے بھی جس
کا زمانہ ان ہر دو حضرات سے قبل واقع ہوا ہے۔ اس نکاح کا اقرار کیا ہے۔
اور روافض پر حجت تمام کی ہے۔ لیکن روافض کا ان تمام حقیقتوں سے انکار
کرنا ایک ایسی خفیہ سازش کا پتہ دے رہا ہے۔ جو رسول انام اور اس کے صحابہ
کے خلاف ان دشمنانِ دین متین نے قائم کر رکھی ہے اور جس کا مقصد صرف
یہی ہے کہ منافقانہ انداز سے اسلام کو چشم زخم پہنچا کر مجوسیوں۔ گبروں اور
آتش پرستوں کی تباہی کا انتقام لیا جائے۔ لیکن کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا
صیانت و حفاظت الٰہی جس کی آغوش میں اسلام پھولا پھلا اور تا قیامت رہیگا
ان ملاعنہ سے کب زیر ہو سکتا ہے۔ دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر ست۔

یہاں یہ بات بھی بیان کر دینے کے قابل ہے کہ روافض کے ایک اور جلیل القدر
عالم سید مرتضیٰ رافضی صاحب جتھرق العوام ہیں۔ لیکن یہ متاخرین میں سے تھے
اور انہوں نے ایسا زمانہ پایا ہے جبکہ انکار کی دبا عالمگیر ہو چکی تھی۔ اگر وہ بھی اسکی
زد میں آکر منکر ہو گئے ہوں تو یہ کچھ عجب نہیں۔ روافض ان ہر دو حضرات کو خلط
ملط کر کے کیوں اپنے دین و مذہب کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ کہاں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ
اور کہاں سید مرتضیٰ رافضی۔ اشتراک نام سے کس قدر ناجائز فائدہ اٹھا کر جناب
علم الہدےٰ کو منکر نکاح بیان کیا جاتا ہے۔

ردِّ وسوسہ دوم کہ کتب معتبرہ اہلسنت سے یہ نکاح ثابت نہیں

(۲) کتب معتبرہ اہلسنت مثل صواعق محرقہ و ازالۃ الخفا وغیرہ سے بھی یہی ثابت
ہوتا ہے۔ کہ یہ نکاح ہرگز نہیں ہوا۔ (کنز مکتوم)

روافض نے جب یہ دیکھا کہ ان کی تمام مذہبی کتب اس صداقت سے
مملو ہیں۔ اور دلیل خصم کسی طرح بھی رد نہیں کی جا سکتی۔ تو اعتراض محولہ بالا تراشا

لیکن اتنی تکلیف گوارا نہ کی کہ پہلے دیکھ تو لیتے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں۔ اس میں صداقت کا کتنا حصہ ہے۔ کسی جاہل نے کہہ دیا کہ اس نکاح کا ذکر کتب اہلسنت میں نہیں جتنا سنا اور پنساری بن گئے۔ دیوانہ راہوئے بس است تمام عالم پر آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے یہ بے تکی ہانکنے کہ اتنا عظیم الشان واقعہ ہو۔ اور کتب اہلسنت میں اس کا ذکر تک نہ ہو۔ اسلئے یہ تو سراسر غلط ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہے۔ کہ حق ہمیشہ باطل پر غالب رہتا ہے۔ اور اہلسنت والجماعت کی تمام کتب معتبرہ عقد مذکور کے وقوعہ وصحت کی مؤید ہیں۔ چنانچہ مختصراً ہم ان عبارات کو یہاں سند درج کرتے ہیں تاکہ ہر رافضی کو معلوم ہو جائے۔ کہ دروغگوئی۔ فریب کاری اور دھوکہ بازی سے نجات حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ خصائل رذیلہ ہمیشہ قعر مذلت۔ نکبت وخواری میں لا ڈالتے ہیں:۔

ثبوت از صواعقِ محرقہ

(۱) صواعق محرقہ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر صفحہ ۹۳ پر عقد امّ کلثوم رضؓ کو ثابت کیا گیا ہے نہ کہ رد جیسا کہ رافضی دھوکا دیا کرتے ہیں۔ عربی عبارت کا صحیح وکمل ترجمہ درج ذیل ہے:۔

روایت اوّل:۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے امّ کلثومؓ کا خطبہ کیا۔ حضرت علی نے دو عذر کئے۔ اول ان کی صغر سنی کا اور دوسرے اُسے اپنے بھتیجے کے لئے آمادگی۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا کہ میں نفسانی خواہشات کے خیال سے نہیں چاہتا بلکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہوا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ "تمام نسب اور تعلق قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے۔ سوائے میرے تعلق اور نسب کے۔ اور تمام لڑکیوں کی اولاد کا عصبہ ان کا والد ہوتا ہے سوائے اولاد فاطمہ رضؓ کے کیونکہ میں ہی ان کا باپ اور عصبہ ہوں"۔

روایت دوم:۔ حضرت علی رضؓ نے اپنی بیٹیوں کو اپنے بھتیجوں کیلئے علیحدہ کر رکھا تھا پھر حضرت عمر رضؓ ان سے ملے۔ اور کہا کہ اے ابوالحسن اپنی بیٹی امّ کلثوم رضؓ بنت فاطمہ رضؓ بنت رسول اللہ صلعم کا میرے ساتھ نکاح کر دو۔ حضرت علی رضؓ

نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو اپنے بھتیجوں کے لئے روک رکھا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ بیشک اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں جو میرے جیسا اس سے اچھا معاملہ (برتاؤ) کرے۔ اے ابوالحسن مجھ سے نکاح کر دے۔ پھر حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے وہ تجھے نکاح میں دیدی۔ پھر حضرت عمرؓ مہاجرین اور انصار کی مجلس کی طرف جو ایک باغ میں منعقد تھی گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھے مبارکباد دو سب نے کہا اے امیر المؤمنین کس وجہ سے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضرت ام کلثومؓ بنت علیؓ کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرنی شروع کی۔ کہ انہوں نے رسول صلعم سے سنا کہ فرماتے تھے۔ کہ تمام نسبی و دامادی تعلقات قیامت کے دن ٹوٹ جائینگے۔ مگر میرا تعلق نسبی و دامادی منقطع نہیں ہوگا۔ میرا رسول اللہ صلعم کے ساتھ صحابی ہونے کا تعلق تھا۔ مجھے پسند آیا کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا تعلق بھی ہو جائے۔

اس کے بعد صاحب المحرقہ لکھتے ہیں۔ اس حدیث کے باوجود جو اہلبیت کی سند سے مروی ہے۔ اہلبیت کی جاہل جماعتوں سے نہایت ہی تعجب آتا ہے جو ہمارے زمانے میں حضرت عمرؓ کا حضرت اُم کلثومؓ سے نکاح کا انکار کرتے ہیں لیکن یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کو علماء سے ملنے کا موقع نہیں ملا۔ اور اس کے علاوہ جاہل رافضی ان کی عقلوں پر غالب ہوگئے۔ انہوں نے یہ بات ان میں داخل کر دی۔ بعد ازاں یہ ان کے مقلد بن گئے۔ اور انہیں پتہ نہ چلا کہ یہ بالکل جھوٹ اور مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس شخص نے علماء سے تعلق رکھا اور تاریخ اور حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا وہ یقیناً جان لیگا کہ حضرت علیؓ نے اُم کلثومؓ کا حضرت عمرؓ سے نکاح کر دیا۔ اور اس کا انکار جہالت۔ ہٹ دھرمی اور مشاہدے کا انکار اور عقل کا فساد اور دین کا بگاڑ ہے۔ پھر اس کے آگے علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حدیث نکاح عمرؓ ایک جماعت صحابہؓ مثل منذرؓ ابن عباسؓ۔ ابن زبیرؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ ذہبی نے بیان کیا ہے۔ کہ اس کے اسناد صحیح ہیں۔

تاریخ خمیس مصنفہ شیخ حسین دیار بکری میں بھی بعینہٖ انہیں مضمون کی روایت موجود ہے۔ جسے ہم بخوف طوالت یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

ثبوت نکاح از کتاب المعارف

علامہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الکاتب الدینوری رحمۃ اللہ جنہوں نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی اپنی کتاب المعارف (ترجمہ) جلد اول صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ پر یوں رقمطراز ہیں کہ "ام کلثوم کبریٰ ان کا عقد عمرؓ بن خطاب سے ہوا تھا۔ ان سے ایک لڑکا ہوا۔ بعد شہادت عمرؓ ان کا عقد محمد بن جعفر سے ہوا۔ پھر ان کے مرنے کے بعد عون بن جعفر نے نکاح کیا اور انہیں کے عقد میں مریں" اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر حضرت عمرؓ کی اولاد اور ان کی نسلوں کے بیان میں علامہ موصوف فرماتے ہیں "بی بی فاطمہ و زید یہ دونوں ام کلثومؓ کے بطن سے تھے۔ جو علیؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی و بی بی زہرا دختر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے تھیں۔ مگر ایک روایت میں ہے کہ بی بی ام کلثوم رضؓ کی جو بیٹی عمرؓ کے صلب سے پیدا ہوئی تھیں ان کا نام رقیہ تھا" پھر حضرت عمرؓ کے لڑکوں کے ذیل میں صفحہ ۱۱۲ پر یوں مرقوم ہے "زید بن عمر بن الخطاب بنی عوبج اور بنی رزیح کے مابین ایک جنگ میں پتھر کے صدمۂ ضرب سے فوت ہوئے۔ ان کی اولاد بھی کوئی نہیں۔ اور ایک قول ہے کہ وہ اور ان کی ماں ام کلثوم رضؓ دونوں نے ایک ہی ساعت میں وفات پائی۔ جس کی وجہ سے کسی کو ایک دوسرے کی میراث نہیں ملی۔ ان کے جنازے کی نماز عبداللہ بن عمرؓ نے پڑھائی تھی۔ جنہوں نے زید کی نماز جنازہ پہلے ادا کی اور ام کلثوم رضؓ کا جنازہ مؤخر کر دیا۔ اسی وقت سے یہ طریقہ جاری ہو گیا۔ کہ مردوں کے جنازہ کی نماز پہلے پڑھی جائے اور عورتوں کی ان کے بعد میں"

تذکرہ حضرت عمرؓ سے ثبوت نکاح

مشہور مصری ادیب و مصنف جناب رفیق بک صاحب نے اپنی کتاب تذکرہ ۱۵ بعد

میں صفحہ ۲۱۹ پر حضرت عمرؓ کے عادات وخصائل کے بارے میں ایک روایت قلمبند کی ہے۔ جو عقد مذکورہ کی موید ومثبت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ امام ابن جوزی نے مناقب عمر میں حضرت انسؓ سے ایک مشہور واقعہ درج کیا ہے۔ کہ رات کو حسب معمول گشت کرتے ہوئے مدینہ کے میدان میں ایک خیمہ دکھائی دیا جس میں ایک مسافر کی بیوی درد زہ سے بیتاب تھی۔ اور کوئی دائی نہ تھی۔ آپ فوراً گھر آئے اور اپنی اہلیہ اُم کلثوم رضؓ کو جو حضرت علی رضؓ کی بیٹی تھیں فرمایا کہ کیا تم کو ثواب حاصل کرنے کا شوق ہے۔ جس کا خداوند کریم نے تم کو موقع دیا ہے۔ چنانچہ اُن کو آمادہ کرکے آپ اس عورت کے پاس لائے۔ اور اس عورت کی آڑے وقت میں دستگیری کی۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۴ پر حضرت علی رضؓ کے نواسے زید کو حضرت عمر رضؓ کا بیٹا لکھا ہے۔

الفتوحات الاسلامیہ سے بھی یہ نکاح ثابت ہے

فرید العصر والاوان شیخ الاسلام السید احمد ابن السید زینی دحلان مفتی السادۃ الشافعیہ بمکۃ المحمیہ الفتوحات الاسلامیہ میں جو مکہ معظمہ کے مطبع میریہ میں بزبان عربی ۱۳۱۱ھ میں بار دوم شائع ہوئی۔ اس کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۶۹ میں نکاح ام کلثوم رضؓ کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضؓ کی صاحبزادی اُم کلثوم رضؓ کا واقع نکاح آئمہ نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے۔ اور ان روایت کرنے والوں میں بیہقی۔ طبرانی اور دار قطنی ہیں۔ اور اس نکاح کے متعلق احادیث اکابر اہلبیت نبوی سے مروی ہیں۔ چنانچہ اسے امام جعفر صادق نے اپنے باپ امام محمد باقر رضؓ سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار امام زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت علی رضؓ کا ارادہ تھا کہ اپنی صاحبزادیوں کو اپنے بھائی جعفر کے بیٹوں سے بیاہیں۔ مگر جب حضرت عمر رضؓ نے اپنے عہد خلافت میں اُم کلثوم رضؓ کی خواستگاری کی تو آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ لڑکیوں کو اپنے بھتیجوں کے ساتھ بیاہنے کا ہے حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ رسول صلعم سے میں نے سُنا ہوا ہے۔ کہ قیامت کے

دن تمام سبب اور نسب قطع ہو جائیں گے۔ سوائے میرے نسب و سبب کے اور تمام بیٹوں کی اولاد کا عصبہ ان کا باپ ہوتا ہے۔ سوائے اولاد فاطمہ رضؓ کے کہ میں ان کا باپ اور عصبہ ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ اس رشتہ سے میرا رسول اللہ صلعم سے تعلق سبب و نسب ہو جائے۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ میں اپنے اسدین (حضرات حسنؓ و حسینؓ) سے مشورہ کر لوں چنانچہ آپ نے حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ سے پوچھا تو امام حسین اپنے بڑے بھائی کی موجودگی میں خاموش رہے حضرت حسن رضؓ نے کہا کہ اے پیارے باپ **حضرت عمر رضؓ سے زیادہ بزرگتر صحابی رسول صلعم اور کون ہے**۔ حضور (اُن سے راضی گئے پھر جب آپ خلیفہ ہوئے تو عدل و انصاف کیا۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تم سے پوچھ کر رشتہ کروں۔ قصہ مختصر آپ نے حضرت عمر رضؓ سے اپنی دختر بلند اختر کا نکاح کر دیا۔ چالیس ہزار درہم مہر مقرر ہوا۔ حضرت عمر رضؓ کو اس رشتہ سے کمال درجہ خوشی حاصل ہوئی صحابہؓ نے مبارک دی۔ اُن سے آپ کے ہاں زید و رقیہ پیدا ہوئے۔ جن سے سلسلہ اولاد نہیں چلا"

اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر ایک واقعہ درج ہے۔ جس سے عقد مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ ہو ہذا۔

"حضرت عمر رضؓ نے ایک ایلچی قیصر روم کی طرف بھیجا اس کے ہاتھ **حضرت ام کلثوم بنت علی رضؓ نے جو حضرت عمر رضؓ کی بیوی تھیں** ایک دام گرفتہ دینار کی قیمت کا عطر شیشی میں بند کر کے ایلچی کو دیا کہ ملکہ کو دیدینا اس ملکہ نے اس کے عوض جو اہرات بھیجے۔ حضرت اُم کلثوم رضؓ نے انہیں میکہ فرش پر ڈالدیا۔ حضرت عمر رضؓ جب گھر میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ یہ جواہرات کیسے ہیں۔ حضرت ام کلثوم رضؓ نے تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ جواہر لیکر مسجد کی طرف آئے۔ اور لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر جواہرات کے متعلق اطلاع دیکر مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا اس کی مستحق سیدہ اُم کلثوم ہیں۔ کیونکہ یہ مال ایک عورت کی طرف سے ہدیہ ہے۔ جزیہ اور خراج نہیں ہے۔ اور اس پر دوسرے

امر کی طرح احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ آپ نے فرمایا لیکن مشکل یہ ہے کہ جس کو یہ جواہرات وصول ہوئے ہیں وہ امیر المومنین کی زوجہ ہے۔ جس کے ہاتھ یہ مال آیا ہے۔ وہ امیر المومنین کا ایلچی ہے۔ اور سواری جس پر اس رسول نے سفر کیا ہے وہ مسلمانوں کی ہے۔ اور یہ مال مسلمانوں کی ولاء (ملک) ہے۔ پس میرے خیال میں اس کی جگہ مسلمانوں کا بیت المال ہے۔ لہذا ہم اُم کلثومؓ کو صرف اس کا راس المال دے سکتے ہیں۔ پھر آپ نے وہ جواہرات بیچکر ایک دینار اپنی بیوی کو دیدیا۔ اور باقی بیت المال میں داخل کر دیا۔"

الفاروق میں شہادت نکاح ام کلثومؓ

فخر المحققین علامہ شبلی نعمانی اپنی شہرہ آفاق کتاب الفاروق کے صفحہ ۲۷۹ پر اس نکاح کے متعلق یوں فرماتے ہیں: "اخیر عمر میں ان کو یعنے حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے ام کلثومؓ کے لئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثومؓ کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیرؑ نے منظور فرمایا۔ اور سنہ ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار پر نکاح ہوا۔ اس تزویج کا واقعہ تمام معتمد مؤرخوں نے بہ تفصیل لکھا ہے۔ علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں۔ ابن حبان نے کتاب الثقات میں۔ ابن قتیبہ نے معارف میں۔ ابن اثیر نے کامل میں نہایت وضاحت سے لکھا ہے۔ کہ ام کلثومؓ بنت فاطمۃ الزہرا حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں۔ ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں۔ لیکن ان دونوں میں مورخوں نے صاف تصریح کی ہے۔ علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گزری ہیں۔ اور ان سے بڑھکر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ وہ عبارتیں اس موقعہ پر نقل کرتا ہوں۔ ثقات ابن حبان ذکر خلافت عمرؓ واقعات سنہ ۱۷ھ میں ہے ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب

وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذیقعد۔ معارف میں ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے وفاطمہ وزید امھما ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم۔ اسد الغابہ فی احوال صحابہ ابن اثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم رضؓ کا حال لکھا ہے۔ تفصیل کے ساتھ اس کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ جس کو ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں ؕ

عبارات مذکورہ بالا کے ملاحظہ سے ہر ذی فہم پر ہویدا ہو جائیگا۔ کہ ام کلثوم کی تزویج کے واقعہ کو اہلسنت والجماعت کی تمام معتمد اور معتبر کتب میں بالتصریح روایت کیا گیا ہے۔ جو اس کی صحت وقوع کا متکفل ہے۔ لیکن روافض کا یہ مشہور کرنا کہ اہل حق کی کتب میں یہ واقعہ مذکور نہیں۔ محض فریب دہی کی خاطر ہے۔ جس سے مقصود صرف اپنی عاجزی اور بے بسی کو چھپانا ہے۔

ردّ وسوسہ سوم کہ صحیحین وغیرہ میں روایات نکاح نہیں

اکابر اہلسنت مثل فخر الدین رازی وعضد الدین صاحب مواقف وعلامہ تفتازانی وسید شریف وعلامہ قوشجی شارح تجرید ومرزا مخدوم صاحب سہام ثاقبہ وحسام الدین برزنجی صاحب مرافض الروافض وابن تیمیہ وابن حزم ومحسن کشمیری وشیخ عبد الحق دہلوی وغیرہ علمائے ناقل۔ ان سب کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو روایت صحیح بخاری ومسلم میں نہ ہو وہ معتبر نہیں ہے بلکہ بعض کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو روایت صحیح بخاری میں نہ ہو۔ اگرچہ صحیح مسلم میں ہو وہ بھی صحیح نہیں اور **روایات عقد مذکور نہ صحیحین میں ہیں نہ دیگر صحاح ستہ میں۔** حالانکہ بنا بر تصریح مولوی حیدر علی صحیحین میں دوسو دس سے زیادہ روایات ضعیف وموضوعات سے ہیں۔ باوجود اس کے بھی روایات عقد مذکور کو نہیں لکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موضوعات سے بھی ان روایات کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ (کنز المکتوم)

صحاح میں بھی اس تزویج کا ذکر موجود ہے

روافض کا یہ بیان بھی ان کی لاعلمی اور کذب ودروغ پر مشتمل ہے۔ اور

بالکل واہی و پوچ ہے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ پر انہوں نے ایک بہتان عظیم باندھا
اور افترا کیا ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ اور نیز دیگر آئمہ محدثین نے کسی جگہ نہیں فرمایا
کہ جو روایت صحیح بخاری و مسلم میں نہ ہو وہ نامعتبر و غیر صحیح ہے۔ بلکہ شیخ علیہ الرحمۃ
مقدمہ مشکوٰۃ شریف میں صاف تصریح فرماتے ہیں کہ احادیث صحیحہ بخاری و مسلم
میں منحصر نہیں ہیں۔ اور نہ انہوں نے تمام صحاح کا احاطہ کر لیا ہے۔ بلکہ بعض
صحیح احادیث بھی جو ان کے نزدیک ان کی شرطوں کے مطابق صحیح تھیں نہیں
لائے ہیں۔ امام بخاری نے خود اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ کہ میں اس کتاب
میں وہی احادیث لایا ہوں جو صحیح ہیں۔ اور میں نے بہت سی صحیح حدیثوں
کو بخوف طوالت چھوڑ دیا ہے۔ علیٰ ہذا امام مسلم نے فرمایا ہے کہ میں جو احادیث
اس کتاب میں لایا ہوں صحیح ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ جن کو میں نے ترک
کیا ہے ضعیف ہیں۔ ہم حدیثوں کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے لیکن دروغ گو
کا اعتراض اٹھانے کے لئے ہم یہاں دو احادیث صحاح ستہ
سے بھی نقل کر دیتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ عقد مذکور کی نسبت
ان کی دروغ بافی و فریب دہی کا پردہ یہاں بھی چاک ہو رہا ہے۔ ہمیں تعجب
پر تعجب آتا ہے کہ ایک صحیح واقعہ کو چھپانے کے لئے روافض نے اس قدر
کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ کہ اخلاق حسنہ اس کے تصور سے کانپ رہے
ہیں۔ خدا جانے مومنیت کی یہی شان ہو گی۔

(۱) ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ دہلی پارہ گیارہواں کتاب الجہاد صفحہ ۲۸
پر ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے مدینہ کی عورتوں
کو کچھ چادریں تقسیم کی تھیں تو ایک نہایت عمدہ چادر بچ گئی۔ تو ان کے پاس
بیٹھنے والوں میں سے کسی نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ چادر آپ رسول خدا صلعم
کی صاحبزادی (یعنی نواسی) کو جو آپ کے نکاح میں ہیں دیدیجئے۔ وہ لوگ
ام کلثوم رضہ بنت علی رضہ کو مراد لیتے تھے تو حضرت عمر رضہ نے کہا کہ اُم سلیط
اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ اور ام سلیط انصاری خواتین میں سے تھیں جنہوں
نے رسول خدا صلعم سے بیعت کی تھی۔ حضرت عمر رضہ نے کہا کہ وہ اُحد کے

دن ہمارے لیے مشکیں بھر بھر کے لاتی تھیں۔

(۴) نسائی شریف جلد اول صفحہ ۲۸۰ کتاب الجنائز باب اجتماع جنائز الرجال والنساء میں ہے۔ اخبرنا محمد ابن رافع قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال سمعت نافعا یزعم ان ابن عمر صلی علی تسع جنائز جمیعا فجعل الرجال یلون الامام والنساء یلین القبلة فصفهن صفا واحدا ووضعت جنازة ام کلثوم بنت علی امرأة عمر بن الخطاب وابن لها یقال لہ زید الخ امام نسائی اپنی صحیح میں بروایت ابن جریج لکھتے ہیں۔ کہ کہا ابن جریج نے کہ سنا میں نے نافع کو کہ وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر نے ۹ جنازوں کی اکٹھی نماز پڑھی۔ مردوں کے جنازے کو امام کے قریب کیا اور عورتوں کے جنازوں کو قبلہ کی طرف اور سب کی ایک صف بنائی۔ اور ام کلثوم دختر علی کرم اللہ وجہہ جو حضرت عمر بن الخطاب کی زوجہ تھیں۔ اور ان کے بیٹے جن کو زید کہا جاتا تھا ان دونوں کا جنازہ ایک ساتھ رکھا گیا۔ اور حضرت سعید بن عاص اس وقت امام تھے۔

ردِ وسوسہ چہارم کہ روایات نکاح پر اعتبار نہ کرنا چاہئے

راویان حدیث عقد ام کلثوم مثل سفیان و زبیر بن بکار وغیرہ سب کذاب و وضاع و دشمن آل رسول ہیں۔ ایسے کاذبوں کا بیان کب معتبر ہو سکتا ہے اور احادیث و روایات اس قدر مختلف فیہ واقع ہوئی ہیں۔ کہ ان پر انحصار غیر ممکن ہے (نکاح ام کلثوم)

ہم بفرض محال روافض کی خاطر تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ اہلسنت والجماعت کے راویان حدیث عقد ام کلثوم معتبر اور معتمد نہ تھے لیکن روافض کیوں اس جھگڑے میں پڑتے ہیں۔ وہ اپنے ان کی احادیث اور راویان حدیث کی طرف متوجہ ہوں خواہ مخواہ شہر کے اندیشہ میں گھلنا اور دوسروں کا غم کھانا کہاں کی عقلمندی ہے وہ اپنے گھر کی خبر لیں۔ اور دیکھیں کہ ان کے راوی ثقہ ہیں یا نہیں۔ جس وقت وہ یہ ثابت کر دیں گے کہ ان کے تمام راویان حدیث وضاع۔ کاذب۔ مدلس جعال اور دشمن خاندان رسول تھے۔ اور ان کے فقہا اور محدثین اس قدر سادہ لوح

واقع ہوئے تھے۔ کہ انہوں نے بغیر جرح و قدح ابن بکار وغیرہ کی اکاذیب مختلقہ روایات کو اپنی کتب میں بھرتی کر لیا۔ اور فقہی مسائل کا ان سے استخراج کیا۔ جس پر روافض اب بھی کاربند ہیں۔ تو ہمیں پھر ضرورت لاحق ہوگی کہ ہم اپنے راویان حدیث پر جرح و قدح کرکے ثابت کریں۔ کہ ہمارے محدثین نے فراہمی احادیث میں کس قدر التزام کیا ہے۔ اور راویوں کی ثقاہت و صداقت کا کتنا بلند پایہ رکھا ہے۔ باقی رہا مسئلہ اختلاف جو روایات کے بارے میں ہے۔ سو اس کی نسبت ہم یہ بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ نفس مضمون میں کہیں بھی اختلاف واقع نہیں ہوا۔ بلکہ جزئی امور میں روایات واقعہ کی تفصیل میں کم و بیش ضرور ہیں۔ اور یہ عقد کے مخالف نہیں۔ احادیث مندرجہ کافی و شافی و استبصار۔ و من لا یحضرہ الفقیہ وغیرہ میں کسی جگہ اس نکاح کے متعلق کوئی متضاد یا متناقض امر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ نہیں پایا جاتا۔ روایات کا اختلاف خود روافض کا پیدا کردہ ہے۔ جنہوں نے اس واقعہ کی اہمیت اور اپنے مذہب کا بطلان محسوس کرتے ہوئے واہی تباہی بیانات باطل تحریفات۔ لایعنی تاویلات اور مضحکہ خیز توجیہات سے اس واقعہ کو بالارادہ غلط ملط کر کے ایک دفتر پریشان بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس نے شور و شغب برپا کیا ہے کہ آوازۂ حق دب جائے۔ اور یہ امر ثابت نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس بارے میں ان کی تمام کوششیں تین دوروں پر منقسم ہوتی ہیں۔ **دورِ اول** میں ان کے اکابر نے بلا استثنےٰ جن کا زمانہ قریب عہد آئمہ کے تھا۔ اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔ **دور دوم** میں علمائے روافض نے اس میں مخاصمت و منازعت و تحریف و تبدیل کی لم لگا دی ہے۔ اور بعض نے یہ کہا کہ یہ نکاح حضرت عباس نے جبر و دستی سے کیا۔ جس سے حضرت امیر بالکل بری الذمہ تھے۔ **دور سوم** میں روافض نے انکار بالکلیہ کا وظیفہ گردانا اور کذب و ابطال کے دیوتا کی دہلیز پر جبہ سائی کرتے کرتے ماتھے گھسا دیئے۔ لیکن ان کے خیال میں یہ کلنک کا ٹیکہ جو لگ چکا تھا نہ مٹا۔

ردِّ وسوسۂ پنجم کہ بوجہ شرکتِ اسمی محدثین کو مغالطہ ہوا

ام کلثوم بنت ابوبکر صدیقؓ جو اسما بنت عمیس کے بطن سے تھی اور حضرت علیؓ کی ربیبہ تھی حضرت عمرؓ سے بیاہی گئی۔ لیکن بوجہ شراکت اسمی کے ام کلثوم کو جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ محدثین کو مغالطہ ہوا کہ ام کلثوم

تقیہ شعار روافض کا یہ دعوےٰ بھی اُن کی کذب بیانی کی ایک روشن دلیل ہے کہ ام کلثوم کو محمد بن ابی بکر کی حقیقی بہن اور حضرت علی کی ربیبہ قرار دیکر حقیقت حال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ حضرت صدیقؓ کی بیٹی ام کلثوم زید بن خارجہ انصاری کی بیٹی کے بطن سے تھیں نہ کہ حضرت اسما بنت عمیس کے شکم سے جنہوں نے بعد از وفات حضرت صدیق حضرت علی سے نکاح کیا (کتاب المعارف صـ۱۱۳)

تاریخ اس امر کی بھی شاہد ہے۔ کہ حضرت صدیق کا انتقال اس صاحبزادی کی ولادت سے پہلے ہو گیا تھا۔ اور وہ عہد فاروقی میں نہایت صغیر سن تھیں اور ہرگز قابل شادی کے نہ تھیں۔ ان کا نکاح طلحہ بن عبید اللہ سے ہوا تھا۔ اور ان سے دو اولادیں ہوئیں۔ ذکریا اور عائشہ پھر طلحہ بن عبید اللہ جب شہید ہو گئے تو ام کلثوم سے عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن ابی ربیعۃ المخزومی نے عقد کر لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کی دو ازواج کی کنیت ام کلثوم ضرور تھی۔ جن میں ایک کا نام ملیکہ بنت جرول خزاعی تھا۔ جو زید اصغر اور حضرت عبید اللہ مشہور شجاع کی والدہ تھیں۔ اور انہیں حضرت فاروق اعظم نے اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دیدی تھی۔ اور دوسری کا نام جمیلہ بنت عاصم بن ثابت تھا۔ اور جن کے بطن سے حضرت عاصم (حضرت عمر بن عبد العزیز کے نانا) متولد ہوئے۔ (کتاب المعارف صـ۱۱۱ - ۱۱۳)

الفرق کا شیعی مصنف بھی نکاح اُم کلثوم کا قائل ہے

علامہ شبلی مرحوم کی مقبول عام تصنیف الفاروق کے جواب میں شیعی اثنا عشری مرزا عابد علی بیگ قزلباش نے ایک کتاب الفرق بھی ہے۔ اور آفتاب کو مشعل دکھائی ہے۔ اس کتاب کے حصہ دوم میں مصنف

صفحہ ۶۲۳ - ۶۲۹ میں تسلیم کرتا ہے۔ کہ ام کلثوم جو خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی زوجیت میں آئیں بنت علیؓ تو ضرور تھیں۔ لیکن خاتون قیامت کے بطن سے نہ تھیں۔ (اس قول کے ثبوت میں کوئی سند پیش نہیں کی گئی) بلکہ ایک لونڈی زادی تھیں۔ اور چونکہ حضرت عمرؓ کے والد بھی ایک لونڈی کے شکم سے تھے۔ اس لئے اگر علی مرتضےٰ نے اپنی کمسن دختر ام کلثومؓ جو بطن ام الولد سے تھی حضرت عمرؓ کے ساتھ نکاح کر دیا یا حضرت عباس کو اس کے نکاح کرنے سے نہ روکا تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ پیوند سے پیوند ملتا ہے۔ گویا کسی ام الولد سے پیدا شدہ لڑکی کو جو ایک مسلمان کے نطفہ سے ہو اور مومنہ بھی ہو (بقول روافض) کسی غاصب۔ فاسق یا فاجر کے حوالے کر دینا اسلام کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضؓ نے جو دین الٰہی اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے منجانب اللہ امام تھے عمل کرکے اسے جائز کر دیا ہے۔ کیا اولاد ام الولد ایک ایسی مکروہ ہستی ہے۔ جس کو اسلام کی عالمگیر ہمدردی و اخوت کے حصار میں کوئی پناہ مل نہیں سکتی۔ العجب ثم العجب۔ لیکن روافض ہی بتائیں کہ ان کے جو سات امام[1] ام الولد کے پیٹ سے تھے۔ ان کی نسبت وہ کیا حکم لگائیں گے۔ اگر آئمہ کیلئے یہ امر موجب خرابی نہیں ہو سکتا تو ام کلثوم کو کیوں اس قدر حقیر سمجھا جاتا ہے۔ تبرا بازوں کو کیا ضرورت کہ غور و خوض سے کام لیں۔ انہیں تو تبرا کرنا ہے۔ رسولؐ ہو یا اس کی عترت۔ اس کے اصحاب ہوں یا ازواج۔ یہ کسی کو نہ چھوڑینگے۔ جو زد پہ تیری آیا اسکو لگ کے چھوڑا

ردِّ وسوسہ ششم کہ حضرت علیؓ نکاح کر دینے کے (معاذ اللہ) مذنب ٹھہرتے ہیں

روایات صادقہ مخبر ہیں کہ حضرت علیؓ نے جب ان سے ام کلثوم کا خطبہ کیا گیا۔ تو انہوں نے اپنی صاحبزادیوں کو اپنے بھتیجوں کے لئے علیحدہ کر رکھنے اور سیدہ معصومہ کے صغیرہ ہونیکا عذر کیا۔ لیکن اس عذر کے بعد بھی حضرت علی

---

[1] (۱) امام زین العابدین (۲) امام موسیٰ کاظم (۳) امام علی رضا (۴) امام محمد تقی (۵) امام علی نقی (۶) امام حسن عسکری (۷) امام غائب ۔ دیکھو اصول کافی صفحہ ۲۰۵ تا صفحہ ۳۹۵

کا ام کلثوم کو حضرت عمرؓ سے بیاہ دینا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علیؓ نے معاذ اللہ جھوٹ کہا تھا۔ (کنز مکتوم)

جناب مرتضیٰ پر یہ ایک بے بنیاد الزام ہے۔ جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ ہم مان لیتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا ارادہ تھا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو اپنے بھتیجوں سے بیاہیں لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کریں گے۔ اللہ جل شانہ نے انہیں ایک بہتر رشتہ عطا فرمایا جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ تو اس میں کونسی قباحت لازم ہوئی۔ حضرت علیؓ کا ارادہ خدا کا ارادہ نہ تھا۔ کہ کن فیکون کے تحت میں آجاتا۔ تغیّر و تبدل ارادہ اُن کے لئے ہرگز ممتنع الوقوع نہیں تھا۔ اور اس کی تصدیق اُن کے مشہور و معروف قول سے ہوتی ہے۔ کہ عرفتُ ربی بفسخ العزائم یعنے میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ ہونے کے باعث پہچانا۔ مقام تعجب ہے کہ روافض خدا کے متعلق تو تبدیل ارادہ (بدا) کے قائل ہوں۔ مگر ایک بندۂ خدا (علیؓ) کے لئے ارادہ تبدیل کر دینا محال بتائیں۔ صاحب کنز مکتوم زیر عنوان "لزوم فسادات" پانچویں خرابی کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے عذر اختصاص سیدہ معصومہ پر خلیفہ ثانی کا اصرار رسول صلعم کے اس حکم کے منافی تھا کہ جب کوئی مسلمان کسی سے خواستگاری کرے تو پھر دوسرا خواستگاری نہ کرے۔ چنانچہ حاشیہ کے نوٹ میں اس کا حوالہ حدیث بخاری سے دیا ہے جو حسب ذیل ہے۔ لا یخطب علی خطبة اخیه جس کی تشریح حاشیہ بخاری پر اس طرح مرقوم ہے۔ خطبہ کا مطلب ہے کہ مرد عورت کو درخواست کرے۔ اور دونوں مہر پر متفق اور راضی ہوں۔ اور سوائے عقد کے اور کچھ باقی نہ ہو۔ صرف اس حالت میں دوسرے کو خطبہ کرنا ممنوع ہے۔ روافض نے یہ کہیں بھی ثابت نہیں کیا۔ اور نہ ہی کوئی اور مستند تاریخ و معتمد بیان اس امر کا مؤید ہے۔ کہ حضرت علیؓ اور اُن کے بھتیجوں کے درمیان یہ معاہدۂ نکاح ہو چکا تھا۔ اور جس کا صرف عقد ہی باقی تھا۔ بلکہ جملہ راویان نکاح ام کلثوم نے بالاتفاق لکھا ہے کہ حضرت امیر کا ایسا ارادہ تھا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس حدیث

کا اطلاق حضرت عمر رضؓ پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر فریقین کے باہمی معاہدے
کے خلاف حضرت عمر رضؓ نے خطبہ کیا ہوتا تو بلا شک حضرت عمر رضؓ قابل مواخذہ
قرار دیئے جاتے۔ لیکن محض ارادہ امیرانہ پر جو ہر صاحب اولاد اپنی اولاد کی بہتری
کے لئے سالہا سال پیشتر کرتا اور ہدف رہتا ہے۔ حضرت عمر رضؓ کو مورد الزام
بنانا ایک سفیہانہ حرکت ہے۔ دوسرے عذر کو روافض نے بہت کچھ اہمیت دے
رکھی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق سیدہ طاہرہ کی عمر بوقت نکاح دس برس کی تھی
جس سے صغر سنی ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا روایات مذکورہ کو بالکل غلط وبے اصل
موضوعات میں سے قرار دیتے ہیں۔ عام طور پر لفظ صغیرہ کا اطلاق اس لڑکی پر
کیا جاتا ہے۔ جس میں آثار بلوغت ابھی عیاں نہ ہوئے ہوں۔ اور ممکن ہے۔ کہ
بوقت خواستگاری حضرت ام کلثوم ابھی صغیرہ ہی ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ
کی عمر بوقت نکاح ۹ سال بتلائی بیان کی جاتی ہے۔ حالانکہ ودائی کی رسم نو سال کی عمر
میں ادا ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت علی رضؓ پر بہتان کذب کس طرح قائم ہوتا
حضرات روافض حضرت علی رضؓ کے لفظ صغیرہ پر گرفت کرتے ہیں۔ اور اس کو جھٹلانے
کے لئے طرح طرح کے فریبوں سے کام لیتے ہیں۔ کہ کسی طرح قول حضرت علی رضؓ غلط
اور ام کلثوم رضؓ کی عمر بڑی ثابت ہو جائے۔ ہر رافضی اس معصومہ کو جوان ثابت
کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی دس برس بتاتا ہے۔ کوئی ۱۶ برس اور کوئی ۲۰ برس
ہر ایک قیاسی ڈھکوسلے پیش کرتا ہے۔ اور یقینی طور پر نہیں بتلایا جا سکتا کہ ان
کا سال ولادت کیا تھا۔ مگر مؤلف کنز مکتوم ص۱۰۱ پر تسلیم کرتا ہے کہ آپ کی
ولادت ۶ھ یا ۷ھ میں ہوئی۔ اور آپ کا نکاح ۱۷ھ سے ۲۰ھ
میں واقع ہوا۔ لہٰذا وہ صغیرہ نہیں کہی جا سکتیں۔ پس بقول روافض بھی سیدہ
موصوفہ کی عمر ۹ سے ۱۲ سال کی ہوتی ہے۔ اور کون عقلمند ہے جو اس عمر کی
لڑکی کو صغیرہ نہ کہیگا۔ اگر بفرض محال گیارہ بارہ سال بھی عمر قرار دے دی
جائے۔ جب بھی انہیں صغیرہ کہنا والد بزرگوار (حضرت علی رضؓ) کے لئے قابل گرفت
نہیں ہو سکتا۔ ہم حیران ہیں کہ کسی کے صغیرہ یا کبیرہ ہونے سے نکاح پر جس کا
انعقاد کتب فریقین سے ثابت ہے۔ کس طرح نقص عاید ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علی رضا چونکہ بقول بالخصوص تقیہ کے عامل تھے۔ اسلئے بعید از قیاس نہیں کہ اپنی صاحبزادی کو اپنے بھتیجوں کیلئے مختص کر رکھنے اور ان کے صغر سن ہونے کا عذر بطور تقیہ ہی کیا ہو۔ اے تقیہ کے عاملو سوچو تو سہی کہ یہ ہتھیار جب آپ نے ایسے ہی موقعوں کے لئے بنایا ہے۔ تو جناب امیر نے بھی اگر اس سے فائدہ اٹھایا تو کیا جرم کیا۔ نیز حضرت علی رضا نے اس شفقت پدری کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ جس کی رو سے والدین کو اپنی اولاد خواہ کس قدر بڑی ہو جائے ہمیشہ چھوٹی ہی معلوم ہوتی ہے۔ اپنی دختر بلند اختر کو صغیرہ کہا ہو۔ اور بالخصوص ایسے حالات میں جبکہ خواستگاری کرنیوالا ایک سن رسیدہ بزرگ تھا۔ جس کی کبر سنی کے مقابلہ میں معصومہ کی عمر حقیقتاً کمسنی کی مترادف تھی۔ تو اس میں کیا جھوٹ ہے۔ باقی رہا معاملہ معصومہ کا جناب امیر رضا کے بھتیجوں کے لئے مختص ہونیکا سو یہ عذر بھی خلیفہ چہارم کے خلاف کذب گوئی کی دلیل نہیں ہے۔ نہایت قرین قیاس ہے۔ کہ آپ نے معصومہ کو اس غرض کے لئے مختص کر رکھا ہو۔ اور آپ کی دلی خواہش بھی یہی ہو کہ معصومہ کا رشتہ اسی جگہ ہو جہاں آپ نے ارادہ کیا ہوا تھا۔ اور جہاں بوجہ سابقہ رشتہ خون آپ اس رشتے کو ترجیح بھی دیتے ہوں۔ لیکن ان سب باتوں کے موجود ہوتے ہوئے یہ کہاں سے ہویدا ہوتا ہے۔ کہ اگر جناب امیر رضا نے صغر سنی اور اختصاص کا عذر پیش کیا اور پھر اس پر قائم نہ رہے۔ تو خود آپ نے جھوٹ ہی بولا۔ ارادے فسخ ہوتے ہیں۔ خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ بتقاضائے محبت چیزوں کی اصلیت اور رنگ میں نظر آتی ہے۔ اگر یہ سب فطری امور جناب ابوالحسن رضا سے ظاہر ہوں تو انہیں جھوٹ پر محمول کیوں کیا جائے ؎

وقتِ صبر کیوں گھبراتے ہو ٭ شہد میں ایلوا ملاتے ہو

دوسرا گروہ روافض کا ان اصحاب پر مشتمل ہے۔ جو نکاح کا مقر تو ضرور ہے لیکن اس مقصد کو معدوم کرنے کے لئے جو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس کی توجیہات پر تلا ہوا ہے۔ اور حسب ذیل تاویلات سے اپنی دلچسپی کا سامان پیدا کرتا ہے

اوّل۔ سیدہ معصومہ کو حضرت عمرؓ نے غصب کیا۔ اس قول کی تصدیق امام ہمام کے ارشاد (جو اول الفرج غصبناہ) سے ہوتی ہے۔ اور جس کی تائید مزید سید مرتضےٰ علم الہدےٰ اور علامہ شوستری کی تصریحات سے ہوا ... واضح طور پر بیان ہے۔ کہ حضرت امیر نے زیر تحت وصیت خداوندی جس کا ذکر اول ہو چکا ہے خاموشی اختیار کی۔ کیونکہ یہ مقدر ہو چکا تھا۔ اللہ جل ... نے رسول مقبول صلعم کو اس کی خبر دیدی تھی۔ اور انہوں نے حضرت علی ... **سے اقرار لییا تھا کہ وہ ان مواقع پر انتہائی ضبط کو کا(م) میں لائیں۔** تاکہ اسلام تباہی و فساد سے بچ جائے۔ اس تاویل کے موجد ... نے بزعم خود حضرت عمرؓ کو ایک نہایت شنیع جرم کا مجرم گرداننے کی ناپاک سعی تو بیشک کی ہے۔ لیکن اس جنون عداوت میں اسے ہرگز یہ محسوس نہیں ہوا کہ اس ضمن میں حضرت امیر کی ذات ستودہ صفات پر کتنا مکروہ اور سفیہانہ حملہ کیا گیا ہے۔ جس کی کم از کم سرور دو جہان کے کلمہ گویان سے توقع نہیں ہو سکتی۔ یہ حضرات روافض ہی کو زیبا ہے کہ وہ نشتر زبان سے آئمہ کرام کی بھی فصد کاری کریں۔ ان پر ناپاک الزام رکھیں اور پھر اسی منہ سے **صلے علیٰ** کے نعرے لگا کر فی الحقیقت ان کے زخموں پر نمک پاشی کر کے اپنی شقاوت کی داد دیں۔ اس ناپاک الزام کی تردید کے لئے لابدی ہے کہ ہم یہاں حضرت علی رضؓ کی ایک دور خی تصویر جو روافض نے کھینچ رکھی ہے۔ ناظرین کے سامنے پیش کریں۔ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر کے دکھا دیں کہ دشمنان اہلبیت یعنے روافض نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی کس قدر توہین کی ہے۔ اور ان کی شجاعت۔ تہور۔ بسالت۔ غیرت۔ اور قوت کا کیا مضحکہ اڑایا ہے۔

تصویر اوّل

پہلی تصویر میں جناب امیر شیر خدا۔ سرور اولیا۔ مسند الاصفیا۔ سید اوصیا اسد اللہ الغالب۔ امام المشارق والمغارب کی شان میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ وہ

علی جنہوں نے کعبہ میں ولادت پائی۔ وہ علی جنہوں نے گہوارہ میں اژدہا چیرا۔ وہ
علی جنہوں نے بچپن میں ہی کفر و دین میں فرق کیا۔ وہ علی جن کی کفر سوز تیغ بے پناہ
نے اسلام کو اس دنیا میں قائم کیا۔ شمع دینِ رسول اللہ صلعم سے جہان میں اجالا
کرنے والے۔ عمرو و مرحب کو چیرنے والے۔ خیبر کو اکھاڑنے والے۔ دشمنوں کو
اک نگاہ سے ہلاک اور کفر عرب و عجم کو لرزہ براندام کرنیوالے۔ ہزارہا جنوں
کو دو دستی میں زیر و زبر کرنیوالے (فضائل مرتضوی صفحہ ۲۳ وغیرہ) داماد رسول صلعم
زوجِ بتول، حسنین کے والد بزرگوار۔ رسول صلعم کے برادرِ نامدار، مظہر عجائب
غرائب۔ وہ علی رض کہ رعد جن کی آواز اور برق جن کا چابک ہے۔ وہ علی جن
سے حسد کرنے کے باعث ابوالبشر جد پیغمبران حضرت آدم ع جنت سے نکلے
گئے (حیات القلوب جلد اول صفحہ ۹۱ وغیرہ) یونس علیہ السلام شکم ماہی میں
گئے۔ حضرت یوسف چاہ کنعان میں محبوس ہوئے۔ حضرت ایوب بیماری میں
مبتلا ہوئے۔ جن کے طفیل حضرت موسیٰ ع نے رود نیل سے سلامتی حاصل کی
نوح ع کی کشتی افلاک پر پہنچی۔ جن کے صدقے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ
گلزار ہوئی۔ وہ علی رض جن کا گہوارہ ملائکہ ہلاتے رہے۔ وہ علی رض جن کے لئے
خدا نے آسمان سے ذوالفقار اتاری۔ وہ علی رض جو قسیم النار والجنۃ تھے۔ وہ علی رض
جن کی ذات قدرت خدا کی نشانی اور جن کا وجود عظمت و جلال الٰہی کا نمونہ تھا
وہ علی رض جن کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور جن کا نفس نفسِ رسول صلعم تھا بلکہ وہ علی رض
جس نے کونین کو ایجاد کیا۔ خیمۂ گردوں کو بے چوب و ستون کھڑا کیا۔ روحوں
کا قابض۔ اجساد کا خالق۔ رسولوں کا ناصر اور فرشتوں کا استاد تھا (فضائل
مرتضوی صفحہ ۳۳) لیکن باینہمہ اوصاف و کمالات ظاہری و باطنی اللہ پاک
کی شان بے نیازی دیکھئے کہ ایک شخص (عمر بن الخطاب رض) جس نے بارہا
حضرت امیر کے سامنے اپنے عجز و انکسار کا اعتراف کیا ہو وہ شخص جو ہمیشہ
حضرت علی رض کی زیارت سے لرزہ براندام رہا ہو۔ وہ شخص جس نے کئی دفعہ
اللہ و رسول کا واسطہ دیکر شیر خدا سے اپنی جان بچائی ہو۔ وہ شخص جو حضرت امیر
کے خوف سے چھپتا پھرا اور صحابہ رسول کی شفاعت کا طلبگار ہوا ہو (علما حیرین صفحہ ۱۸۲ وغیرہ)

وہی شخص حضرت امیر کی لڑکی غصب کرے۔ اسے چھ سال تک اپنے ہاں روکے رکھے۔ اور اس سے اولاد بھی پیدا کرے۔ لیکن حضرت امیر کو یہ قدرت حاصل نہ ہو۔ کہ اپنے جگر گوشہ کو اس کے ظلم کے پنجے سے مخلصی دلوائیں۔ **وہ ذوالفقار** جو حضرت عباسؓ کے پرنالہ[له] کے معاملہ میں نیام سے تڑپ کر نکل تھی اس واقعہ سے ذرہ بھر بھی جنبش نہ کھا سکی۔ **وہ قوت** جس نے جبرائیلؑ کے پر کاٹے اور جعفرؓ جن کو دو ٹکڑے کیا تھا (فضائل مرتضوی صفحہ ۳۵) اس قدر مغلوب ہوئی کہ اس کا عدم وجود برابر ہو گیا۔ **وہ کرامت** جس نے دنیا کو محو حیرت کر رکھا تھا خود تصویر حیرانی بنی۔ **حضرت امیر کی وہ حب رسول** جس کا شہرہ چہار دانگ عالم میں تھا۔ اولاد رسول (ام کلثومؓ) کے کچھ کام نہ آئی۔ آخر یہ تمام کمالات کس دن کے لئے حضرت امیر نے اٹھا رکھے تھے۔ اور اس سے زیادہ نازک وقت ان کی غیرت و امتحان کا اور کون تھا؟ یہ معاملہ تو ننگ و ناموس کا تھا جس پر ادنیٰ ادنیٰ سے آدمی بھی مائل بہ جدال و قتال ہو جاتے ہیں لیکن بقول روافض ایسے ننگ و ناموس کے معاملات میں ایک حضرت علیؓ کی ہستی تھی جو کبھی متاثر نہ ہوئی ہم یہ بھی بقول روافض فرض کئے لیتے ہیں کہ اگر وصیت رسول صلعم نے حضرت علیؓ کو بیدست و پا نہ کر دیا ہوتا تو وہ ضرور جوہر ذوالفقار دکھاتے اور دنیا پر واضح کر دیتے کہ آن پر مٹ جانیوالے کیسے ہوتے ہیں۔ لیکن کیا حضرت حسن مجتبیٰ اور حضرت حسین شہید کربلا کی جوانی۔ حمیت دینی اور غیرت نسبی بھی اس بات کی متقاضی نہ تھی کہ وہ شمشیر بکف ہو جاتے اور اپنی ہمشیرہ عزیزہ کی عصمت پر حرف نہ آنے دیتے اور حضرت ام کلثومؓ کو مخلصی دلوا کر حضرت خاتون قیامت کی روح کو خوش اور ہمشیرگی کا حق ادا فرماتے۔ یا کیا تمام بنو ہاشم

له جناب مولوی سید دلدار علی مجتہد المتاخرین روافض عماد الاسلام میں کسی ایک کتاب امامیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے تیسرے سال خلافت میں حضرت عباس کے گھر کے نیچے سے گذرے انکے پرنالہ میں سے چھینٹیں انکے کپڑے پر پڑیں حضرت عمرؓ نے اسے اکھڑوا دیا حضرت عباس نے جا کر حضرت علیؓ سے شکایت کی آپ اسی وقت پر ذوالفقار لئے ہوئے پہنچے اور پرنالہ پھر لگوایا۔ اور فرمایا کہ قسم ہے خدا کی اگر تمام اہل زمین مجھ سے بخشونت پیش آئیں تو سب کو قتل کر دونگا ۔

معاذ اللہ اس قدر آبرو باختہ ہوچکے تھے کہ انہوں نے اس واقعہ پر خفیف سی صدائے احتجاج بھی بلند نہ کی۔ اگر حقیقت حال یہی ہے۔ تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ بنو ہاشم کی عزت۔ شرافت۔ غیرت۔ حمیت اور اسلام کی تمام داستانیں ایک طلسم ہوشربا ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام روافض کے جوڑے ہوئے قصے لغو و مجموعہ اکاذیب و مفتریات ہیں۔ اور حق یہی ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ نکاح بہ طیب خاطر کیا اور حضرت عمرؓ کی محبت کو بقول حضرت رسول صلعم جزو ایمان خیال کیا۔

تصویر دوم

دوسری تصویر جو روافض نے حضرت علیؓ کی کھینچی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام عمر مغلوب و مقہور رہے۔ اور اگر رسول خدا صلعم ان کی محافظت و صیانت نہ فرماتے تو وہ کبھی کے شہید ہو جاتے یا خدا جانے کیا مصیبت آتی۔ ان کی دشمنی اسقدر عام تھی کہ جناب رسالتمآب صلعم کے واصل بحق ہوتے ہی تمام مسلمان اُن سے برگشتہ ہو گئے۔ اور انہیں سوائے خانہ نشینی اور اصل قرآن گم کر دینے کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ (جلاء العیون ص۱۷۱) یہ حضرت علی رضؓ وہ ہیں کہ جنہیں رسول خدا صلعم نے بمقام غدیر خلیفہ بلا فصل نامزد فرمایا لیکن رسول صلعم کے بعد تین آدمیوں کے سوا کسی شخص نے بھی اس کی تصدیق نہ کی۔ (جلاء العیون ص۱۷۱) یہ حضرت علی رضؓ وہ ہیں کہ جنہوں نے حصولِ خلافت کے لئے اپنی بی بی حضرت خاتون قیامت کو ایک دراز گوش (گدھے) پر سوار کیا اور ہر صحابی کے دروازہ پر لیگئے۔ اور طالب مدد ہوئے۔ لیکن کوئی بھی ان کی مواسات کو نہ اٹھا (صولت حیدریہ ص۸۱) یہ حضرت علی رضؓ وہ ہیں کہ ان کی گردن میں رسی ڈالکر سر بازار گھسیٹا گیا۔ اور ان سے بہ جبر بیعت لیگئی۔ اور انہوں نے سر تسلیم خم کیا۔ جلاء العیون ص۱۴۳ اور ص۱۵۸ وصولت حیدریہ ص۸۶) یہ حضرت علی وہ ہیں جن کی (نعوذ باللہ) بی بی کو کوڑے سے پیٹا گیا۔ اور یہ بدلہ نہ لے سکے۔ ان کی بی بی کے شکم مبارک پر دروازہ گرایا گیا لیکن یہ اسے نہ روک سکے۔ ان کا اسقاط حمل ہوا لیکن یہ خاموش رہے۔ ان کا بیٹا حضرت محسن شہید ہوا پر انہوں نے کوئی انتقام نہ لیا

یہ وہ **حضرت علی** رضؓ ہیں جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا لیکن کچھ نہ کیا۔ یہ وہ **حضرت علی** رضؓ ہیں جنہوں نے رسول صلعم کی اُمّت کو گمراہی میں مبتلا پایا لیکن ہدایت نہ کی۔ یہ وہ **حضرت علی** رضؓ ہیں جنہوں نے دین میں رخنہ اندازی دیکھی لیکن اصلاح پر توجہ نہ کی۔ یہ وہ **حضرت علی** رضؓ ہیں جنہوں نے کفر کو از سرِ نو ابھرتے مشاہدہ کیا لیکن آگے نہ دبایا۔ یہ وہ **حضرت علی** رضؓ ہیں جنہوں نے دین میں بدعات کی روز افزوں ترقی دیکھی لیکن کسی کو نہ ٹوکا۔ (اصول کافی کتاب الحجہ)

یہ وہ **حضرت علی** رضؓ ہیں جن کے سامنے شوہروں سے عورتیں چھین لی گئیں۔ اور رسول صلعم کی عطا کردہ معافیاں ضبط کر لی گئیں مگر آپ نے اپنے عہد خلافت میں حقداروں کو واپس نہ دلائیں (کتاب الروضہ کافی صفحہ ۲۹) یہ وہ **حضرت علی** رضؓ ہیں جنکی **بی بی** جو بضعہ جگر گوشہ رسول صلعم تھی انتہائی مظالم برداشت کرنے کے بعد اپنے **خاوند حضرت امیر** سے بقول ملا باقر مجلسی اس درشتی سے مخاطب ہوئیں "کہ مثل اس جنین کے جو کہ رحم میں ہو پردہ نشین ہوئے ہو۔ اور خائنوں کی مانند گھر میں بھاگ آئے ہو بعد اس کے کہ زمانہ کے دلیروں کو خاک ہلاک پر گرایا ہے۔ مانند نامردوں کے مغلوب ہوئے ہو۔ یہ ابو قحافہ ظلم و جبر سے میرے باپ کے ہبہ و عطا اور میرے فرزندوں کی معیشت مجھ سے چھینتا ہے۔ اور باآواز بلند مجھ سے مخاصمہ کرتا ہے۔ انصار میری یاری نہیں کرتے مہاجرین کنارہ کرتے ہیں۔ تمام لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ میں نہ کوئی دفع کرنیوالا رکھتی ہوں نہ منع کرنیوالا۔ نہ مدد کرنیوالا نہ شفاعت کرنیوالا۔ میں گھر سے خشمناک باہر آئی۔ اور غمناک پھر آئی۔ تم نے اسی دن اپنے کو ذلیل کیا جس دن کہ اپنی سطوت سے دست بردار ہوئے یہ گرگ میرا شکار کرتے اور لیجاتے ہیں۔ اور تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے۔ کاش میں اس ذلت و خواری سے پہلے مر گئی ہوتی۔ مجھ پروائے ہو کہ وہ بزرگوار مر گیا جو ہر صبح و شام میرا محل اعتماد تھا میرا بازو شکستہ ہو گیا۔ میری شکایت میرے باپ کی طرف اور میرا مخاصمہ میرے پروردگار کے سامنے ہے۔ خداوندا تیرا حول و قوت سبھوں سے زیادہ اور تیرا عذاب و نکال سبھوں سے شدید تر ہے" ترجمہ حق الیقین صفحہ ۲۵۳

یہ وہ حضرت علیؓ ہیں جن کی بی بی کو اپنے گھر میں بعزلت والہ بند کوار خود ہی بجبر کر روندے دیا گیا۔ اور وہ دل کی بھڑاس نکالنے کیلئے بیرون شہر مقام کرنے پر مجبور رہی ہیں۔ (تاریخ الائمہ ص ۳۵) لیکن وہ سوائے تلقین صبر کے اور کوئی مداوا نہ کر سکے۔ اگر حضرت علیؓ بعقائد روافض اسی قدر بے بس و بیکس تھے جیسا کہ بیان محولہ بالا ظاہر کرتا ہے تو حیف ہے ایسے عقیدہ پر اور افسوس ہے ان خیالات پر۔ اس بے بسی کی حالت میں **حضرت علیؓ پر اسلام کا ایک فرض واجب تھا** اور وہ یہ کہ **وہ ہجرت کر کے مدینے سے نکل جاتے** اور دم بھر کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرتے

جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب نے برخلاف اپنے جمہور کے اپنے اشتہار **محبت حسینی** وغیرہ میں دعوے کیا ہے کہ وہ موجودہ قرآن کو مانتے ہیں۔ یہ ایک نہایت مبارک اعلان ہے۔ اور اسی لئے ہم اسی صحیفہ ربانی سے ان پر حجت لاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام معجز نظام میں ارشاد فرماتا ہے۔ **ان الذین توفٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی ارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولٰئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا**۔

یعنے جو لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرنے والے ہیں، جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ اور ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس دین میں تھے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں کمزور اور عاجز تھے۔ تو فرشتے جواب میں کہتے ہیں، کہ کیا زمین اللہ کی اتنی فراخ نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے کہیں اور چلے جاتے۔ ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بری جگہ ہے۔ ہاں مگر کمزور مرد عورتیں اور بچے جو تدبیر سے معذور ہیں اور انہیں کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ لیکن **تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جناب علی المرتضےٰ** نے مدینہ سے ہجرت کا کبھی ارادہ نہیں فرمایا بلکہ برعکس اس کے وہ شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانہ خلافت میں تقریباً ۲۵ سال تک مدینے میں ہی مقیم رہے اور خلفائے عظام کے یار و مددگار اور دست و بازو بنے رہے بیت المال سے ان کا آذوقہ لیتے رہے اور ایک بہترین طریقے سے زندگی بسر کی۔ یہ

روافض ہی کو زیبا ہے کہ وہ جناب امیر کو مخالف قرآن ثابت کرنیکی ناپاک
کوشش کرتے رہتے ہیں۔

دوم۔ یہ نکاح حضرت عباسؓ نے زبردستی کیا

سید مرتضٰی کتاب تنزیہ الانبیاء میں فرماتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی بیٹی
نکاح ساتھ عمرؓ کے منظور نہیں کیا۔ مگر بعد اسکے کہ عمرؓ نے ان کو دق کیا اور ڈرایا اور جھگڑا
جب حضرت عباسؓ نے دیکھا کہ فتنہ وفساد ہوا چاہتا ہے۔ تب حضرت امیر سے اس
کام کو اپنے اختیار میں لیلیا اور ام کلثومؓ کا نکاح ساتھ عمرؓ کے کر دیا۔ اور یہ ہم بیان
کر چکے ہیں کہ شرع میں ہرگز ممنوع نہیں ہے۔ کہ بجبر و اکراہ لڑکی کا نکاح اس شخص
سے کر دیا جائے۔ جس کے ساتھ حالت اختیار میں جائز نہو تا خصوصاً عمرؓ جیسے آدمی
کے ساتھ کہ وہ اسلام بھی ظاہر کرتا تھا اور تمام شریعت کا پابند تھا۔

مواعظ حسینہ میں مرقوم ہے کہ "تزویج ام کلثوم باختیار حضرت امیر واقع نشد
الی قولہ۔ بالفرض اگر باختیار ہم باشد عقل ایں را قبیح نمے داند کہ نکاح با مخالفین جائز باشد
بلکہ عقل تجویز نمیکند کہ حضرت حق تعالیٰ مباح سازد برائے ما نکاح کردن را با کفار چہ قباحت
نکاح با کفار عقلی نیست مثل قباحت ظلم و قتل و امثال آں وچگونہ عقلی باشد وحالانکہ مسلم
است کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دختر خود را با کفار تزویج کردہ و ہرگاہ حقیقت حال چنیں
باشد پس چہ قباحت است در ینکہ جناب امیر علیہ السلام تزویج نمایند دختر خود را با کسیکہ ظاہراً
مسلمان باشد" اس قول سے نہ صرف مسئلہ زیر بحث ثابت ہوا بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رسولؐ
کی چار بیٹیاں تھیں۔ اور حضرت عمرؓ ظاہری طور پر مسلمان تھے باطن کا حال بجز خداوند عالم کے اور کون
جان سکتا ہے۔ حاصل ان اقوال سے یہ ہوا کہ یہ نکاح بلطیب خاطر حضرت امیر نہیں ہوا بلکہ
حضرت عباسؓ نے زبردستی کر دیا تھا جس پر حضرت علی مصلحتاً خاموش رہے۔

بہرحال کچھ بھی ہوا ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس سے وقوعہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں
رہا۔ حضرت عباسؓ جن پر اس نکاح کا بار ڈالنے کی کوشش کیگئی ہے نہایت ہی جلیل القدر اور
موقر صحابی تھے وہ رشتے میں رسول مقبول صلعم اور حضرت علیؓ کے چچا تھے اور حضرت امیر المومنین
تو انکی بمنزلہ والد بزرگوار کے تعظیم و تکریم کرتے تھے انہوں نے اسلام کی متعدد خدمات انجام

دیں۔ یوم العقبہ کے دن وہ رسول مقبول صلعم کی رکاب میں تھے۔ اور حضور نے انکو انصار کا سردار بنایا۔ چنانچہ وہ اسی عہدہ پر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک قائم رہے۔ وہ ایک راسخ الاعتقاد بزرگ اور سچے ایماندار تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کا اسم مبارک آجتک ہمارے خطبات کو زینت کر رہا ہے۔ حضرت عباسؓ کا یہ فعل تین نوع سے ہو سکتا ہے۔ اولاً وہ حضرت امیر کی طرف سے وکیل و مختار تھے۔ ثانیاً۔ انہوں نے حضرت امیر کو اس نکاح پر مجبور کیا۔ اور ثالثاً انہوں نے بلا امتزاج اور استصواب حضرت امیر یہ نکاح کر دیا۔

شق اول کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو حضرت عباسؓ کا یہ فعل خود حضرت امیر کا فعل ہوگا کیونکہ شرعاً اور عرفاً فعل وکیل یا مختار خود موکل کا فعل ہوا کرتا ہے۔ گویا یہ نکاح حضرت امیر کی اجازت سے ہوا اور وہ اس سے بے خبر نہ تھے۔

شق دوم میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ ہر دو پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اول الذکر پر یہ کہ جب حضرت علیؓ قائل زوجیت نہ تھے تو کیوں انہوں نے حضرت عمرؓ کی تمنا کو بار ور کرنے کیلئے اسقدر سعی و کوشش کی اور توہین اہلبیت کے سنگین جرم کے مرتکب ہوئے۔ اور حضرت علیؓ پر جب یہ امر روز روشن کی طرح واضح تھا کہ حضرت عمر نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد فاسق و فاجر تھے اور انہیں علم تھا کہ حضرت عمر غصب فدک، غصب خلافت، اسقاط محسن، احراق در فاطمہؓ جیسے شدید جرائم کے بانی مبانی تھے تو وہ کس ہمت و حوصلہ سے باصرار حضرت عباس اس امر پر راضی ہوگئے۔ کہ اپنی جگر گوشہ خاتون قیامت کی لاڈلی اور رسول مقبول صلعم کی معصومہ نواسی کا جسے رسول صلعم نے اپنی بیٹی کہا ہو ایسے شخص سے نکاح کرکے سیدۃ النساء اور سرور دو جہان کی روح کو ایذا دیں اور اسلام کے زرین اصول کی جس کیلئے انہوں نے مدت العمر اپنی جان، مال و متاع عزو جاہ، آل اور اولاد سبھی کچھ قربان کر رکھا تھا ذرہ بھر بھی پروا نہ کریں۔ اور حضرت عباسؓ کی سفارش پر اتنی زبردست قربانی کر دیں۔ حضرت امیر کیلئے ایسا فعل محالات عادی سے تھا اور کوئی مومن بھی ان کی ذات ستودہ صفات سے ہرگز ایسی توقع نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی حضرت امیر کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اس آیہ قدسی سے ناواقف تھے۔ کہ اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ

ان حالات میں حضرت عباس رضؓ کا اس معاملہ میں جبر یا منت و سماجت کرنا ان پر بہتان عظیم ہے۔ اور حضرت علیؓ کا بھی پس پردہ رہنا خلاف قیاس ہے۔

ثانیاً حضرت عباسؓ کا یہ نکاح از خود کر دینا بھی قرین انصاف نہیں اور یہ شق بھی دو شقوں
پر مشتمل ہے۔ اوّل حضرت عباسؓ نے محض اپنی سادگی کے باعث باوجود واقعات مستذکرہ بالا
کے جو بعد رسول مقبول صلعم کے وصال کے بعد ظہور میں آئے حضرت عمرؓ کو ٹھیٹ مومن ہی سمجھ
لیا اور بحیثیت حضرت ام کلثوم رضہ کے دادا ہونے کے انکا نکاح بلا اطلاع حضرت امیر کر دیا۔
اوّل تو اس امر کے متعلق کوئی ایسی معتبر روایت موجود نہیں کہ حضرت عباسؓ نے ایسا کیا
لیکن اگر یوں بھی مان لیا جائے کہ حضرت عباس نے ایسی چیرہ دستی کی تو بھی حضرت امیر پر یا فرائض والد
ہوتا ہے کہ کیوں انہوں نے اس واقعہ ہائلہ پر جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے قیامت صغریٰ سے
کم نہ تھا صدائے احتجاج تک بھی بلند نہ کی۔ اور ایک معصومہ کو جو ہر طرح حضرت امیر کی ہمدردی
کی مستحق تھیں۔ ایک ظالم کے پنجۂ ستم سے نہ چھڑایا۔ حضرت عباسؓ کی نسبت ایسا وہم ایک مجنونانہ
فعل ہے۔ اور آنجناب کے فہم و فراست اور عدل و دیانت پر ایک ناپاک حملہ ہے۔
دوسری شق اس سوال کی یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے دشمنی یا انتقام کے باعث حضرت
امیر کو نعوذ باللہ ذلیل کرنے کیلئے عمداً ایسا کیا ہو۔ اس پر ایک گروہ شیعہ کا اتفاق ہے۔ اور اس
جرم کی پاداش میں حضرت عباسؓ کو وہ سب و شتم کیا ہے کہ عیاذاً باللہ اس جگہ ہم صرف ان
اقوال کو کتب معتبرہ شیعہ سے نقل کر کے فیصلہ اصحاب بصیرت پر چھوڑ دیتے ہیں اور نہیں
چاہتے کہ اس پر بحث کر کے شامل گناہ ہوں جب حضرت عباسؓ جیسے ذوی الاحترام بزرگ
بھی ان کی رفض سے بری نہیں رہے تو پھر کسی اور کا گلہ لاحاصل ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

حضرت عباسؓ پر سب و شتم روافض

چنانچہ علامہ طبرسی احتجاج میں حضرت علی مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں ذهب من
كنت اعتضد بهم على دين الله من اهل بيتي وبقيت بين حضرين قريبي
العهد بجاهلية عقيل وعباس. یعنے میرے اہلبیت کے وہ لوگ جاتے رہے جنکی
قوت پر خدا کے دین میں مجھے بھروسہ تھا۔ اور اب صرف دو خوار و ذلیل قریب زمانہ
جاہلیت کے رہ گئے ہیں۔ یعنے عقیل والد حضرت مسلمؓ و عباسؓ۔
اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ بقول مرتضوی (دروغ بر
گردن راوی) نہایت ذلیل و خوار تھے۔ اور شاید اسی وجہ سے از روئے انتقام انہوں نے

نکاح کر دیا ہو۔ لیکن بعد از نکاح سالہا سال تک حضرت علیؓ کی خاموشی غیرت طلب ہے۔

حیات القلوب میں ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں: "ابو جعفر طوسی بسند معتبر روایت کردہ از امام صادق کہ نفیلہ مادر عباس کنیز مادر زبیر و ابوطالب و عبداللہ ابنائے عبدالمطلب بود عبدالمطلب با او مقاربت کرد کہ عباس ازاں بہم رسید۔ زبیر با عبدالمطلب دعویٰ کرد و پرخاش برآمد کہ ایں کنیز از مادر ما بمیراث رسیدہ است تو بے رخصت او با او مقاربت کردی و ایں فرزندے کہ بہم رسید یعنی عباس بندۂ ما ست۔ پس عبدالمطلب اکابر قریش را بشفاعت نزد وے فرستاد کہ تا اینکہ زبیر راضی شد کہ دست از عباس بردارد بشرطیکہ نامہ نوشتہ شود کہ عباس و فرزندانش در مجلسے کہ ما و فرزندان ما نشستہ باشند ننشیند و در ہیچ امرے با ما شریک شود و حصہ نبرد۔ پس بایں مضمون نامہ نوشتہ شد و اکابر قریش مہر کردند و ایں نامہ نزد آئمہ علیہم السلام بود"۔ اس روایت سے صاف عیاں ہے کہ معاذ اللہ حضرت عباسؓ کنیز زادے اور توبہ توبہ ولد الزنا تھے اور بنو ہاشم کی مجالس میں داخل ہونے کا حق نہ رکھتے تھے جس کی تحریری سند ائمہ عظام کے پاس موجود تھی جو وراثتاً برابر منتقل ہوتی رہی۔ حضرت امیرؓ جب ایسے اشخاص کے ساتھ میل جول رکھنا ہی قرین قیاس نہیں تو یہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ انہوں نے سیدہ معصومہ کو غصب کر کے حضرت عمرؓ کے حوالے کر دیا تھا۔

ملا صاحب پھر اسی صحیفہ میں فرماتے ہیں کہ "حضرت امام زین العابدین فرمودہ کہ در حق عبداللہ بن عباس و پدرش ایں آیت نازل شد من کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ" یہاں باپ کیساتھ بیٹے کو بھی بکینہ بے بصیرت بنا دیا۔ سبحان اللہ! کیا طبیعت کی روانی ہے ؎

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

سوم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح تقیہ سے کیا۔ حضرات اثنا عشری کے ہاں تقیہ ایک کثیر الاستعمال آلہ ہے۔ جو ہر گتھی کو سلجھانے اور ہر صداقت کو چھپانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ اس کی آڑ اور مدد سے سینکڑوں فسانے وضع کئے گئے ہیں اور درحقیقت شیعہ مذہب سب سے زیادہ اسی کا شرمندۂ احسان ہے۔

اس نکاح کے متعلق ان شیعہ علماء کے نزدیک جو نکاح کے قائل ہیں حضرت امیرؓ کی خاموشی کا راز بھی اسی اصل تقیہ ہی میں مستور ہے جس کو استوار کرنے کیلئے مرسلین و انبیاء

علیہم السلام کو بھی اس کا فاعل قرار دے دیا گیا ہے تاکہ ایک قدسی سند حاصل ہو جائے اور
معترض کو کوئی گنجائش انکار نہ رہے۔ تقیہ مشتق ہے اتقاء سے جسکے معنے خوف کے
ہیں۔ اور اس سے صرف یہی مقصود تھا کہ جان کو بچانے کیلئے جب کوئی نقص ایمان
میں نہ آتا ہو اور کوئی ذریعہ مطلب برآری کا نہ ہو تو دفع الوقتی کر دیجائے لیکن
بامتداد زمانہ اسکے معنوں میں بھی فرق آتا گیا۔ اور اب اس کا استدلال بقول
سعدی شیرازی "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" کے ہو رہا ہے جس
سے مذہب اسلام کی مجملاً سخت توہین ہوتی ہے۔ اور رسول مقبول صلعم کی پاک تعلیم
اپنے مرتبے سے گر جاتی ہے۔ اگر نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ہزار ہا خود
پر مشتمل ہے جس کا نہ تو تجربہ بمشاہدہ یا عقل عامہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس محیر العقول
اصول کے تحت میں تمام مکروہات داخل حسنات ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ہر مسلمان
اسے اپنے شعار زندگی میں داخل کرے تو اسلامی فلسفہ اخلاق تو شاید بدھ سے بھی بد
کہا جاتا ہے کہ اس قوم میں تقیہ کا استعمال سب سے پہلے نعوذ باللہ حضرت علی رض نے
کیا کیونکہ رسول اللہ صلعم یا خلفائے راشدین کو اس کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی ان
کے ارشادات ہمیشہ ان کی منشا کے مطابق تھے جس میں کوئی مجاز یا استعارہ نہ
تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعد از وفات رسول صلعم تا دم شہادت یعنے
تیس برس اس اصول کا پابند رہنا پڑا۔ اور اس عرصہ میں انھیں کوئی موقع ایسا
نہ ملا کہ وہ اپنے صحیح خیالات کی ترجمانی فرماتے۔ جبتک مسلمانوں کی ہدایت کیلئے
خلفائے راشدین موجود رہے۔ آپ ان کے خوف سے اظہار حق نہ کر سکے
اور جب خدائے واحد و برتر نے انہیں آفتاب ہدایت بنایا تو پھر رعیت کے ڈر
سے خاموش رہے۔ اور جو کچھ آپ نے صحابہ کرام کے بارے میں کہا یا کیا آپ
کا منشا اس کے برعکس ہوا کرتا تھا۔ اور یہ بات صرف چند اشخاص کو ہی معلوم تھی
عوام اس سے محض نابلد تھے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں آپکے ننگ و ناموس
پر حملے کئے گئے۔ طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور متواتر آپ کی غیرت و حمیت کو
اکسایا گیا۔ لیکن آپ نے بمصداق خموشی معنے دارد کہ در گفتن نمے آید ہمیشہ سکوت
ہی فرمایا۔ آپ دیکھتے رہے کہ قوم آوارہ ہو کر احکام خدا اور رسول کی خلاف ورزی کر رہی

وہ صحیح مسلک جو رسول صلعم نے قائم کیا تھا بتدریج محو ہو رہا ہے اور نخل اسلام خود غرضی و بنیادی حرص و آز کی بادِ سموم سے مرجھا رہا ہے۔ اور رسول خدا صلعم سے جن کمالاتی پاکیزگی کی تعلیم ملی ہوا تھا مسلمان ہر لحظہ منحرف ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن اس عالمگیر تباہی کا مشاہدہ کرتے ہوئے بھی حضور امیر نے تقیہ کی حالت اختیار اور بے اختیار رہ کر محض اپنی واحد زندگی کی خاطر اسے سے نہ دیا۔ اور فسق و فجور کا بازار گرم ہونے دیا۔ وہ عدیم المثال شجاعت۔ بسالت۔ ہمت اور ایمان جس کا تذکرہ ہر اسلامی محفل اور وعظ کی جان ہے۔ خدا و رسول اور اسلام کے کچھ کام نہ آیا اور نہ ہی کلمہ حق آپکی زبان سے ادا ہو کر عام مسلمانوں کے لئے باعث نجات و تسکین ہوا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ تصویر جو حضرت امیر کے تقیہ کا بقول علمائے شیعہ صحیح مرقع ہے۔ آپکی مدح ہے یا ذم۔ آپ کا قصیدہ ہے یا ہجو مرثیہ۔ کیا حضرت امیر کی لاثانی قربانیاں اور خدمات اسلامیوں سے اسی بدلہ کی سزاوار تھیں ع

اے مدعی دین خدا شرم شرم شرم

سید الشہداء حضرت حسینؓ نے تقیہ سے منہ موڑا۔ اور میدان کربلا میں اسکی جڑ اکھاڑ دی جس کے افسوس میں رفضہ آج تک سر پیٹتے ہیں ؎

بیمار ہی ہے تو ہمیں ہے نگاہ ہست　　　کز شفقت آں چشم بہ رگ توان دید

لیکن اس واقعہ ہوشربا کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ آئمہ عظام کو پھر یہی چادر اوڑھنا پڑی ہے۔ جو برابر وراثتاً منتقل ہو کر یازدہم امام تک متداول رہی۔ بارہویں امام نے تو ایسا تقیہ کیا کہ دین و قرآن چھپانا تو الگ رہا۔ خود بھی چھپ گئے۔ کیا اسلام کے امام اور پیشوا معاذ اللہ یہی اخلاق رکھتے تھے۔ کہ بھول کر بھی کلمہ حق زبان پر نہ لائیں اور دروغگوئی کو نستغفر اللہ اپنا شعار بنالیں۔ ان کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہو مہر بلب ہو کے روح پر سکوت فرمائیں اور اسلام کی بیکسی سے ذرا بھی بے چین نہ ہوں۔ اگر اسی طرح ہوتا تو سید الشہداء ہرگز میدان کربلا میں لٹتے مصائب برداشت نہ فرماتے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان کا تفکر و تدبر دینی عدیم المثال تھا تقیہ کے راز سے بھی نابلد نہ تھے حضرت علیؓ کی اتباع پر زیادہ قدرت رکھتے تھے لیکن انہیں اسلام عزیز تھا اور محبت ایمانی کے سامنے سب کچھ ہیچ۔ انہوں نے دولت اسلام کو ضائع نہ فرمایا بلکہ اسکی صداقت میں چار چاند لگا گئے۔ آخر

انہیں کیا مقصود تھا کہ انہوں نے تقیہ نہ کیا۔ یزید علیہ کی بیعت دنیاوی عیش و آرام
کی کلید تھی۔ حکومت۔ دولت۔ احترام سبھی کچھ اسمیں موجود تھا۔ کیا حضرت امیر
کی حق شناسی اور قوت اظہار حق سے کم از کم ہم یہ توقع نہیں رکھ سکتے ؎

ناظرین خدارا انصاف کو کام میں لائیں۔ اور حضرت امیر کے اوصاف ستودہ کو مد نظر
رکھتے ہوئے اس الزام پر غور فرمائیں۔ حضرت اقبال نے شاید اسی موقعہ کیلئے فرمایا ہے کہ

وہ نصاریٰ کا خدا اور علی شیعوں کا
ڈھنگ کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

ہم ہزارہا روایات کتب اہل شیعہ سے پیش کر سکتے ہیں کہ نہ تو حضرت علی کو جان کا خوف
تھا اور نہ ہی ان کی عزت و ناموس معرض خطر میں تھے۔ تو پھر تقیہ کرنا حضرت علی و اولاد
آئمہ کرام پر ایک بے بنیاد الزام ہے ؎

چہارم۔ وصیت رسول صلعم۔ صبر و تسلیم علی حسب وصیت نبی

جب تقیہ۔ غصب اور اکراہ و اجبار سے مطلب برآری نہ ہوئی تو ایک نیا
فقرہ تراشا کہ اگر رسول صلعم وصیت نہ فرما گئے ہوتے تو شان حیدری ضرور آشکارا ہوتی
اور حضرت امیر اس معاملے پر اظہار خاموشی نہ فرماتے چنانچہ قاضی نور اللہ اپنی مشہور
کتاب مصائب میں لکھتا ہے۔ علی گفت مرا برچہ امر میکنی آنحضرت فرمود صبر کن تا مردم
رجوع کنند بسوئے تو از روئے طوع پس آں ہنگام قتال با ناکثین وقاسطین ومارقین
وبا اعدائے منازعت مکن تا خود را بدست خود درتہلکہ نیندازی ومردم از نفاق بشقاق
برگردند۔ پس علی علیہ السلام حافظ وصیت رسول بود بواسطہ حفظ دین تا مردم بجاہلیت
برنگردند وچوں عمر خواستگاری ام کلثوم نمود علی متفکر شد وگفت۔ اگر مانع شوم او قصد قتل
من کند ومخالفت کنم او را از نفس خود بیروں روم از اطاعت رسول ومخالف وصیت او کنم"
خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ رسول خدا نے حضرت علی کو وصیت کی تھی کہ خلفائے ثلاثہ ؓ
کے عہد میں صبر کرنا اور چاہے کچھ بھی ہو دم نہ مارنا چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے سیدہ معصومہ
کو غصب کیا تو حضرت علی بطور حافظ وصیت رسول خاموش رہے۔ اسی طرح عبارت
آرائی کرتے ہوئے آگے چلکر قاضی صاحب فرماتے ہیں "پس حکم بر خلاف رسول اعظم است
نزد حق تعالیٰ از اغتصاب ہزار فرج از زنان مومنہ چہ جائے فرج واحد۔

یعنے خدا و رسول کے خلاف کرنا موجب عورتوں کی ہزار شرمگاہوں کے چھین لینے سے بھی بُرا ہے۔ ایک شرمگاہ کا کیا ذکر؟ زبان کی پاکیزگی توجہ طلب ہے۔ اور یہی کا نام حُبِّ اہلبیت ہے۔ کیا کوئی شخص ایک لمحہ کیلئے بھی باور کر سکتا ہے کہ جناب پاک نبیؐ نے جو تمام عمر تبلیغ حق کیلئے گوناگوں مصائب برداشت کرتے رہے حضرت امیر کو نعوذ باللہ ایسی لغو وصیت کی ہوگی کہ اے علی اگر تمہارا حق غصب کر لیا جائے تمہارا گھر جلا دیا جائے۔ تمہاری لڑکی غصب ہو۔ قرآن میں تحریف ہو۔ میری سنت میں تغیر آجائے۔ مسلمانوں پر ظلم ہو۔ ان کا دین تباہ ہو جائے۔ لیکن آپ ہرگز چوں و چرا نہ کریں۔ اور جادہ صبر پر قائم رہیں۔ کیا ایک برگزیدہ بھی ایسے کلمات زبان پر لا سکتا ہے۔ اور کیا وہ خدائے واحد سے انہی مقاصد کی اشاعت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی — مومنو! ایمانداری اٹھ گئی
دشمنی پر ہو گئے مفتون تم — دل سے رسم دوستداری اٹھ گئی

وجوہات انکار روافض از نکاح ام کلثومؓ

روافض جو اپنی بد بختی سے اس نکاح کا انکار کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نکاح کے اثبات سے تین فوائد عظیمہ حاصل ہوتے ہیں۔ جو ان کے مذہبی گھروندے کو طرفۃ العین میں منہدم کر دیتے ہیں۔ اور بغض و رفض کے زقوم کا جس کو غالی روافض نے مکر و کذب بیانی کی آبیاری سے سرسبز و شاداب کر رکھا ہے۔ استیصال کرتے ہیں۔ انہی فوائد کو مسترد کرنے کیلئے روافض ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ کہ یہ نکاح ثابت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اگر اس نکاح کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو (اول) اس سے بڑھکر اور کونسی دلیل قوی صحابہ کرام اور جناب امیر کی باہمی محبت و اخوت کی ہو سکتی ہے۔ وہ نہ صرف ایکدوسرے کے دین کے شریک تھے بلکہ انکی عزت۔ ننگ و ناموس۔ غیرت غرضیکہ سبھی کچھ مشترک تھا اور منافرت نام کو بھی نہ تھی۔ ورنہ یہ کب ممکن تھا کہ حضرت امیر جیسا غیور اور شجاع یہ گوارا کرتا کہ اسکی پیاری بیٹی کا نکاح ایک ایسے شخص سے ہو جو اسلام سے

عاری اور نعوذ باللہ سرپا آلودہ عصیان ہو۔ اور وہ تقیہ اور متعہ وغیرہ جیسی لغویات وخرافات پر کاربند ہو کر بالکل جب سادھ لے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس ازدواج مبارک نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ حضرت عمرؓ سے حضرت علیؓ اور خاتون قیامت کو کچھ بھی رنج و ملال نہ تھا۔ وہ دشمن قصے اور جھوٹے فسانے جنہیں تبرائیوں نے مشہور کر رکھے ہیں۔ اور جن سے دین حق کا مضحکہ اڑایا جا رہا ہے۔ کسی نیک نیتی یا تحقیق پر انحصار نہیں رکھتے۔ بلکہ انکی غایت صرف یہی ہے۔ کہ اسلام کی ایک بگڑی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جائے۔ جس سے لوگوں کو نفرت و حقارت پیدا ہو۔ خاتون قیامت نے بقول روافض اگر حضرت عمرؓ سے خفا رہ کر ہی انتقال فرمایا ہوتا اور پے در پے وہ صدمے برداشت کئے ہوتے جن کا ذکر علامہ باقر مجلسی اور قاضی نور اللہ شوستری جیسے علماء روافض مدت العمر کر کے لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں۔ تو یہ کبھی بھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ حضرت علیؓ جگر گوشہ رسولؐ کی روح کو اسقدر ایذا دیتے۔ اور نہ ہی نوجوانانِ جنت یعنے حضرت حسنینؓ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ اسے باطمینان برداشت کر کے خاموش رہتے۔ یہ واہی تباہی قصے دشمنانِ اہلبیت نے صرف اسلئے گھڑ رکھے ہیں کہ ان کی جس طرح بھی ممکن ہو سکے توہین کی جا سکے۔ سوم یہ نکاح یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ جناب امیرؓ کے نزدیک نہایت ہی متقی پرہیزگار اور کامل الایمان تھے۔ اور ان کی نیک بختی میں کچھ کلام نہ تھا۔ ایک عام آدمی جو سراپا آلودہ فسق و فجور ہی کیوں نہ ہو اپنے بچوں کے رشتے ناطے کے لئے ایسے آدمیوں کی خواہش کرتا ہے۔ جو اخلاقاً اس سے ہر طرح اچھے ہوں جب فطرت انسانی کا یہ تقاضا ہے تو کس طرح حضرت علیؓ کی نسبت گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی معصومہ دلبر نظر خاتون قیامت کو کسی ایسے شخص کے حوالے کر دیں جو ایمان سے بعد المشرقین کے فاصلہ پر ہو۔ حضرت امیر بقول روافض علم ماکان ویکون سے بہرہ ور تھے اور انہیں اس بات کا علم تھا کہ اُن کی دامادی کا فخر حاصل کرنے کے لئے حضرت عمرؓ سے بہتر اور کوئی دوسرا نہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ انہوں نے یہ نکاح بہ طیب خاطر کر دیا۔ لیکن برا ہو بغض و حسد کا کہ اس نے

روافض کی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ اور اس عقیدہ خبیثہ کی استواری کے لئے انہوں نے اس قدر دروغ بیانی سے کام لیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ حضرت عمرؓ کی ان بہتانات بیہودہ سے بریت کے لئے یہ ازدواج ایک تائید غیبی ہے جو روافض کیلئے بطور اتمام حجت ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ حضرات روافض اس نکاح کو تسلیم کرنے میں کیوں اسقدر پس و پیش فرما رہے ہیں۔ جبکہ یہ خوشگوار تعلقات آئمہ عظام اور صحابہ کرام کی اولادوں میں بھی مدت تک جاری رہے اور جن کا مفصل ذکر ہم رسالہ قند مکرر میں بوضاحت بیان کر چکے ہیں۔ جن کو روافض نے خاموشی سے نکاح ام کلثومؓ کی طرح تسلیم کر لیا ہے۔ کیا ہم امید رکھیں کہ وہ صحابہؓ کرام سے بغض رکھنے کے گناہ سے جلد توبہ کر کے نور ایمان حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔

التماس

یہ چند اوراق ہم ناظرین کرام کے سامنے پیش کر کے ملتجی ہیں کہ وہ بنظر غائر ان کا مطالعہ کر کے خود ہی انصاف فرمائیں کہ روافض جو اس نکاح کے منکر ہیں کہاں تک حق بجانب ہیں۔ اور اپنے انکار سے اسلام کی قرن اول کی چمکتی ہوئی تصویر پر کسطرح خاک ڈالنے کی مکروہ کوشش کر رہے ہیں۔ تعصب سے اگر بمصداق آیہ کریمہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ کوئی شخص بدیہات کا انکار کر دے تو یہ ایک ایسا مرض ہے جو لا دوا ہے۔ جس سے نجات ممکن ہی نہیں۔ لیکن وہ شخص جس کو مبداء فیاض سے طبع سلیم اور حق و باطل میں تمیز کا ملکہ عطا ہوا ہے وہ جان لیگا کہ دشمنان اسلام کی لایعنی خرافات اس قابل ہیں کہ انہیں پائے استحقار سے ٹھکرا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی لاثانی زندگی دنیا پر عیاں ہے۔ اغیار تک ان کی صداقت۔ ایمان۔ اور عظمت کا لوہا مان چکے ہیں۔ لاکھوں چشم ہائے بدبین و نکتہ چین ان کی روشن زندگی کے سامنے خیرہ ہو چکی ہیں۔ اسلام پر حضرت عمرؓ کے لاکھوں احسان ہیں۔ اور اگر روافض ان کا اعتراف نہ کریں بلکہ سوء ادبی سے پیش آئیں تو اس سے بڑھکر اور کیا کفران نعمت ہوگی۔

حسابِ اصل و باقی

اخیر ماہ جولائی تک مبلغ ۳۵ بچت تھی۔ ماہ اگست میں وصول اور لاگت بر رسالہ ۳۸ وغیرہ خرچ ہوئے۔ پس تا اخیر اگست ۱۹۲۵ء بچت رہی۔ رسالہ ہذا کے اخراجات ماہ ستمبر کے حساب میں محسوب ہوں گے۔

غلام دستگیر نامی خازن دائرہ

کیا ہم توقع رکھیں کہ خانصاحب شیر محمد صاحب مرحوم کے فرزند باقی چندہ بھی جلد ادا کر دیں گے۔

وہابیانِ نجد اور شیعے

مولفِ رسالہ تحریف قرآن جناب حائری کے علمی و دعوی خطاب یافتہ شاگرد احمد علی جو اپنے رسالہ الانصاف میں قرآن مجید کو غیر مربوط اور مجموعہ اغلاط صرفی و نحوی بتا کر اپنے ایمان بالقرآن اور لیاقت عربی کا پردہ دائرہ کے رسالہ نقض الاغتشاش سے چاک کر چکے ہیں امسال حج کو تشریف لے گئے اور وہاں اگر مولانا دیدار علی صاحب کی طرح اتحاد ڈالنے کی کوشش کی۔ تاکہ نجدیوں کی بے حرمتیوں اور مظالم کے خلاف جو انہوں نے حجاز کی مقدس سرزمین میں برپا کر رکھے ہیں متفق ہو کر صدائے احتجاج بلند کریں۔ مولانا صاحب موصوف نے جو جواب دیا ہمیں بھی اس سے اتفاق ہے کہ شیعوں سے ہمارا اصولی اختلاف ہے۔ ان کی کافی اور دیگر کتب میں تصریح مذکور ہے کہ اصل قرآن غائب ہے پس جب ثقل اکبر ہی کے منکر ہوئے تو اتحاد معلوم۔ علاوہ ازیں نجدیوں نے صحابہ کرام کے قباب مزارات پر حملے کئے ہیں۔ اور شیعوں نے خاص ان مقدس ہستیوں کی ذات پر۔ اس حساب سے بھی یہ ان سے بدتر ٹھیرے۔ پس حنفیوں کا اتحاد دینی ہر اُس قوم سے جو بزرگانِ دین کے آثار مبارکہ کی توہین کرے یا ان کی ذات بابرکات پر حملے کرے ناممکن ہے۔

دائرہ کے ایک معاون پر قاتلانہ حملہ

دائرہ کو ابو البرکات مولانا سید احمد صاحب ... خان ... شیعوں کے رد میں قلمی و علمی مدد حاصل ہوتی ہی ہے۔ ہمیں نہایت قلق ہے کہ ان پر ایک شخص عبداللہ نے جو ... غیر مقلدین کا بتایا جاتا ہے بوجہ اختلاف عقائد چھری سے حملہ کیا جس سے گردن پر گہرا زخم ہے۔ شکر ہے کہ وہ قتل کے ارادہ میں ناکام رہا۔ خدا مولوی صاحب موصوف کو عمر طبعی عطا فرمائے اور دشمن اپنے کئے کی سزا پائے۔

خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

مسٹر سلطان علی اور ہم

رسالہ عجالہ، بحث مختومہ فی حل مسئلہ عقد ام کلثوم طبع ہو چکا تھا اور چند کاپیاں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی تھیں، کہ ہمیں مصباح الہدایت ۲ کی ایک جلد دستیاب ہوئی۔ جسمیں مسٹر سلطان علی نے ادارہ الاصلاح کے مطبوعہ رسالہ المسمی بہ قران السعدین پر پانچ سال کے پیچ و تاب کے بعد تنقید کی جرأت کی ہے۔ اور اس سعی نامشکور میں خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق بنے ہیں، اس مخرب الاخلاق رسالہ میں جسکے ہر لفظ سے سوقیت، سخافت اور دنائت کا اظہار ہو رہا ہے اپنے ہر وصف رذیلہ و صفت مذمومہ سے بہرہ اندوز ہو کر وہ ننگی کا ناچ کیا ہے کہ آپکے مذہبی نشہ کی پینک بھی ہرن ہو گئی ہے اور ادارہ کے لئے اسقدر سامان وافر بہم پہنچایا ہے کہ ادارہ اگر برسوں اسپر پھبتیاں اڑاتا رہے تو بھی یہ ذخیرہ کم نہ ہوگا۔ انشاء اللہ ہم ناظرین کرام کو اس گل ہزار رنگ کی شگفتگی کا وقتاً فوقتاً ملاحظہ کراتے رہینگے

کسی مسئلہ کی تحقیق و تفتیش کے لئے ضروری ہے کہ مخالف و موافق اقوال پر منصفانہ تنقید کی جائے، راویوں پر جرح و قدح ہو ان کے استدلالوں کو پرکھا جائے کہ وہ کہاں تک صداقت کی معیار پر صحیح اترتے ہیں بیرونی و اندرونی شہادتوں کی سچائی کو جانچا جائے لیکن مسٹر سلطان علی نے ان سب ضروریات کو بالائے طاق رکھکر کسی واقعہ کی صحت معلوم کرنیکا ایک نرالا طریقہ اختیار کیا ہے جو آپکی ایجاد ہے اور وہ یہ کہ سب و شتم کے میگزین فراہم کرکے اسے نہایت بدتمیزی بلند آہنگی سے اڑایا جائے اگر مخالف بازی لے جائے تو وہ حق پر ہے اگر مسٹر موصوف سبقت لے جائیں، تو آپکا خیال درست ہے اسی کلیہ پر کاربند ہو کر مسٹر سلطان علی اگر کوٹھی کی کسی مالجن یا لکھنؤ کی کسی بھٹیاری سے طبع آزما ہوتے تو آپ کو اپنے معیار کی حقیقت معلوم ہو جاتی اور چھٹی کا دودھ یاد آجاتا لیکن آپ اکثر شرفاء کے منہ آتے ہیں جو آپکی ہرزہ گوئیوں اور ژاژخائیوں کو ہمیشہ نفرت و حقارت سے ٹھکرا دیا کرتے ہیں

ہم گالی کا جواب گالی سے نہیں دینگے

گالی کا جواب گالی سے دینا نہ تو بہادری ہے اور نہ ہی علو ہمت کا نشان ہے اسلئے ہم مسٹر موصوف کی ساری بدزبانی کے جواب میں بوستان سے ایک گلدستہ پیش کرتے ہیں جسکا اگر گل چینی سے ملاحظہ کیا گیا تو مقطع کا شعر جو گل سرسبد کا درجہ رکھتا ہے آپکی بدزبانی

کہ گلو نہ کو آپکا گلشن شکم سے خارج کریگے یہ گلابت کا حکم رکھیگا ۔ ؎

سگے پائے صحرا نشینے گزید — بخشمے کہ زہرش ز دندان چکید
شب از درد بیچارہ خوابش نبرد — بخیل اندرش دخترے بود خرد
پدر را جفا کرد و تندی نمود — کہ آخر ترا نیز دندان نبود
پس از گریہ مرد پراگندہ روز — بخندید کاے بابک دلفروز
مرا گرچہ ہم سلطنت بود و بیش — دریغ آمدم کام و دندان خویش
محال است گر تیغ بر سر خورم — کہ دندان بپائے سگ اندر برم
توان کرد با ناکسان بدرگی — ولیکن نیاید ز مردم سگی

اسی نصیحت کے زیر اثر ہم اشرف مخلوقات کے درجہ سے گر کر بہائم کی فہرست میں داخل ہونا نہیں چاہتے۔

رافضی کا گل سوختہ نذر گلگیر

ہم مدت سے منتظر تھے کہ روافض کچھ اپنی کتب کے متعلق بھی جن میں حضرت فاروق اعظمؓ سے نکاح ام کلثوم کے گل خوش رنگ جا بجا بہار دکھا رہے ہیں کچھ گل فشانی کریں اور اپنی گلکار متعرض زبان سے گل کتریں خدا کا شکر ہے کہ اس دشوار گذار رہ گذر راہ میں ان کے یار عزیز مسٹر سلطان علی کے گلگون قلم نے قدم رکھا ہے اور سرکام رسالہ کھائی ہے ان کا دعوی تھا کہ ہر صفحہ قرطاس کو رشک تختہ گل صد برگ بنادینگے لیکن فی الحقیقت انہوں نے اپنے بزرگوں کی روشن کردہ شمعوں کو گل کیا ہے اور پھر انکی گلگیری کرتے ہوئے انہیں عبث دوبارہ زندہ کرنا چاہا ہے کہیں نکاح کی لوح پر کذب و دروغ کے گلاد سے گلکاری کی ہے لیکن تاویلات رکیکہ و توجیہات باطلہ کی گلفشان سے کاغذ کو جلادیا ہے اور کہیں اپنی بے بسی و بے کسی کے گلہائے زرد پر مضحکہ خیز روایات کا گلگونہ جما کر انہیں گلرنگ بنانے کی سعی کی ہے اپنے گل گل سوختہ دکھا کر گلزار ابراہیم کا سماں باندھنا چاہا ہے لیکن اپنی گلبانگ سے فلک میں مذہب کی فضا کو مکدر کرنے کے سوا اور کچھ حاصل نہ کیا روایات کا ذخیرہ کی بجز گل رخ گلال نہیں ہوسکتی اور نہ ہی توضیحات فاسدہ کا ورد گل قرار دیا جاسکتا ہے روافض نے اس نکاح کے متعلق کذب و افترا کے گلشکر و گلان کو شیر مادر کیطرح ہضم کیا ہے اور بطور حفظ ماتقدم چند گلنار فارسی بھی جمع کر رکھے ہیں کہ

کیلئے گلوسوز اور گلوبند ہوں لیکن گلچین جانتا ہے کہ گل جعفری کہاں ہے اور گل عباسی کیا ہے خورشید گل ابر سے چھپ نہیں سکتا صداقت وہ ہے جسکا سب اعتراف کریں ورنہ گھر میں چور کا نام گلبدن رکھ لینا کوئی بڑی بات نہیں۔

روافض سے بڑھکر اہل بیت کی ہتک کرنیوالا کوئی نہیں

مسٹر سلطان علی (مصباح صفحہ ۳۲) پر لکھتے ہیں کہ حضرات اہل سنت معاویہ شامی اکثر دشمنان اہل بیت کی طرفداری کرتے ہیں اور ان کی آبرو ریزی کے وسائل کی بہم رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے اور اسی ضمن میں وہ ہتک آمیز باتیں درج کرتے ہیں جن سے سراسر ذلت وسبکیت خاندان رسالت عوام کی نگاہ میں ہوتی ہے ہم اوراق ماسبق میں بیان کر آئے ہیں کہ مولف سیف صارم نے اس نکاح کا اقرار بدین الفاظ کیا ہے کہ روایات مجبر ہیں اس بات کے کہ ظاہر میں رنج وصعوبت وہتک سوائے مومنین نے سر لیا اور پھر حنفیہ کی روایت ایراد کر کے اس رنج کو ہلکا کرنیکی کوشش کی ہے اسی طرح محدث کلینی، ملا خلیل قزوینی، سید مرتضی علم الہدی، محقق طوسی علامہ شوستری باقر مجلسی ابو الحسن اثنا عشری و دیگر اکابر روافض نے اس نکاح کا اقرار کیا ہے لیکن مسٹر سلطان علی خان سے کچھ بھی تعرض نہیں کیا کہ کیوں کہ انہوں نے ایسی ہتک آمیز باتیں جناب امیر کے حق میں کیں تو ہم نہیں سمجھتے کہ علمائے اہلسنت نے اگر یہی درج کیا تو ایسی کونسی ضرب کاری لگائی کہ خون جاری ہوا اور مسٹر سلطان علی نے بیساختہ لینا لینا۔ دوڑیو بھاگیو جانے نہ پائے کا غوغا بلند کیا اور غریب علمائے اہلسنت کا عصائے اقرار ایسی مضبوطی سے پکڑ کر اسپر قلابازیاں کھانی شروع کیں کہ آپکا دفعیہ مشکل ہو رہا ہے ہاں وہ کیا بات ہے جسکے متعلق حالات بیان کرنے سے آپ شرم کے مارے غرق ہو رہے ہیں اور آپکی غیرت وحمیت ایمانی کسی طرح مقتضی نہیں ہوتی کہ آپ مفصل بیان کریں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جذبہ سوداوی اثر کی جھاگ کیطرح فوراً فرو ہو جاتا ہے اور آپ اس غیرت وحمیت کو طاق نسیان کے سپرد کر کے بیان بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور چالیس صفحے اس بحث میں صرف کر دیتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کی کتب میں اس نکاح کے متعلق تفصیل میں تفاوت عظیم ہے اگرچہ کسی عالم سنت نے اسکے

وقوع سے کبھی بھی انکار نہیں کیا

ہمارا دعوی رافضیوں کی کتابوں سے ثابت ہے

ہم بارہا کہہ چکے ہیں اور پھر وہی کہتے ہیں کہ آپ کو ہماری کتابوں سے کیا سروکار ہے اگر ہم ان کتب کی بنا پر دعویدار ہوں تو آپ شوق سے ان پر تنقید کریں اور اس واقعہ کی تغلیط پر قلم اٹھائیں لیکن جب ہمارا دعوے آپکی معتبر و مستند کتابوں سے ثابت ہوتا ہے تو آپکے لئے اسکے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ یا تو آپ خاموشی کے ساتھ ہمارا دعوے تسلیم کرلیں یا ان کتب کے باطل ہونیکا اعلان بدستخط مجتہدین شائع کردیں کہ یہ کتب روافض کے نزدیک باطل و غیر معتبر ہیں اور ان کے مصنف وضاع مدلس دجال اور دشمنان اہل بیت میں سے تھے جنہوں نے ان رکیک روایات کو اپنی کتب میں جگہ دیکر روافض کے دین و ایمان کو خراب کیا اور پھر ان کتابوں کی فہرست بھی پیش کریں جو آپ کے نزدیک قابل تمسک ہیں علمائے اہل سنت ہمیشہ اس نکاح کے محققانہ مقر رہے ہیں اور چوٹی کے علمائے روافض نے انکا ساتھ دیا ہے اگر آج کل کے رافضی اس حقیقت نفس الامری سے انکار کر جائیں تو انکا یہ فعل ان کی بے مائگی کم سوادی جہالت باطل پرستی اور بے بصیرتی پر دال ہوگا اور کسی منصف مزاج سلیم الطبع و ژرف نگاہ کیلئے قابل پذیرائی نہ ہوگا۔

مسٹر سلطان علی کی باطل تاویلیں۔

اب ہم ان حوالجات کیطرف رجوع کرتے ہیں جو کتب شیعہ سے رسالہ قران السعدین میں نقل کئے گئے تھے اور جنکا مسٹر سلطان علی نے منہ چڑایا ہے اور بقدر ممکن انکو توڑ مروڑ کر اس فائدہ جلیلہ کو جو ان سے حاصل ہوتا ہے مسترد کرنے کی کوشش کی ہے

علم الہدے کی تائید متعلق نکاح

مسٹر سلطان علی مانتے ہیں کہ ان کے سید مرتضے علم الہدے کے قول سے یہ نکاح بخیال انسداد فتنہ و فساد و بعد مواعید شدید و تہدید واقع ہونا ثابت ہے جب سید مرتضے سے کوئی امید نہ رہی اور یہاں دال گلتی نظر نہ آئی تو آپ نے یہ بے تکی ہانکدی کہ جب شیخ مفید یعنی استاد سید مرتضے اس واقعہ کے منکر تھے[1] تو ممکن نہیں کہ شاگرد اسکا

[1] اول تو مسٹر سلطان علی ثابت نہیں کرسکتے کہ شیخ مفید منکر اس نکاح کے تھے اگر ہوں بھی تو اس سے ان کے شاگرد کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ دیکھو حسب بیان استبصار صفحہ (باقی حاشیہ صفحہ پر دیکھیں)

اقرار کرے کیا اچھا ہوتا کہ مسٹر سلطان علی ایک دو اقوال شیخ مفید سے نقل کر دیتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ شیخ موصوف نے کس بنا پر اس واقعہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے شیخ موصوف کے ہر دو شاگردوں نے یعنی سید مرتضیٰ اور محقق طوسی نے جیسا کہ ہم رسالہ میں بیان کر آئے ہیں اس واقعہ کی صحت کا اقرار کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بے شک یہ استفادہ اپنے استاد سے کیا ہوگا لیکن مسٹر سلطان علی نے قیاس کر دیا کہ شیخ مفید کا ایسا خیال تھا شاید یہ کشف جو ایک چانڈو باز کی پینک سے کسی طرح بھی کم نہیں آپکو عالم رویا میں ہوا ہوگا سبحان مذہبی معاملے میں اگر آپ بھی قیاس کرنے لگے تو بس حد ہوگئی۔

تو کار زمین را نکو ساختی   کہ با آسمان نیز پرداختی

جب اس توضیح سے بھی مطلب برآری نہ ہوئی تو آپ نے سید مرتضیٰ کی تحریر کا منشا یہ بیان کیا کہ یہ نکاح بربنائے خلوص و رضامندی نہیں ہوا بلکہ تہدید و تخویف زجر و تعدی کے بعد جیسا کہ تمہاری روایات سے ثابت ہے الفاظ تحت الخط گزر گئے ہیں لیکن ایجاد بندہ سلطان علی ہیں جو ان کی دیانت پر گواہی دے رہے ہیں کیونکہ سید صاحب نے ایسا نہیں کہا مگر دروغ گو را حافظہ نباشد آپ صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ جناب سید مرتضیٰ ہی پر موقوف نہیں ہیں بھی عرض کرونگا کہ جو نکاح جبر [illegible] اور خوف نقصان دلا کر حضرت عمرؓ نے کیا اس سے ان کو مفاد آخرت اور شرف مصاہرت کیا ملا مسٹر سلطان علی خیال فرمادیں کہ اس توجیہ باطل سے نفس نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے ہزاروں نکاح ایسے ہوئے ہیں جنکا نتیجہ اچھا نہ نکلا اگر کسی نکاح کا نتیجہ خرابی ہو تو کیا اس سے یہ لازم آئیگا کہ نکاح ہوا ہی نہیں اگر آپکا یہی مدعا ہے تو سے بریں عقل و ہمت بباید گریست مسٹر سلطان علی یہ عقد کسی اور کے وصل بغیر کی طرح مکروہ و باعث گناہ نہ تھا بلکہ خاندان امامت سے پیوستہ ہونے کی وجہ سے سراپا فخر و شرف تھا۔ مسٹر سلطان علی

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۶۰) امام علی رضا نے فعل خلاف وضع فطری یعنی زن خود کے عدم جواز میں اپنے دادا امام جعفر صادق کے فتوے جواز کے خلاف فتوے دیا حالانکہ یہ فعل شیعہ مذہب میں جائز ہے تو کیا اس سے امام رضا کے قول کی تکذیب کی جائیگی یا کہا جائے گا کہ امام علی رضا نے اسے اپنی دلی حرام قرار نہیں دیا جب ایک امام کے کہنے سے بھی ایسا سنگین فعل حرام نہیں قرار دیا جا سکتا اگر کسی غیر معلوم [illegible] واقعہ نکاح کا ذکر نہ کیا ہو اور اس کے شاگرد نے کر دیا تو واقعہ کی کس طرح تکذیب ہو سکتی ہے

کو ہم سے گلہ ہے کہ سید موصوف کا آخری فقرہ (لا خلاف فیہ) شہو اً ہم سے کیوں ترک کر دیا حالانکہ اس فقرہ کا درج کرنا تحصیل حاصل تھا کیونکہ اس سے واقعہ نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا شیعوں کے نزدیک نکاح جبر و اکراہ سے ہوا اور سنیوں کے نزدیک بخوشی و رغبت بہر حال نکاح ہونا ثابت ہے مسٹر سلطان علی کا یہ بیان کہ علمائے اہل سنت کا دعوٰے ہے کہ یہ نکاح بجبر و تعدی ہوا ہے اور شیعہ اسکے قائل ہیں سنکر ہیں ایک سفید جھوٹ ہے جو ان کی مقتضائے طبیعت ہے۔

مسٹر سلطان علی نے ایک حوالہ میں ایک لفظ کے غلط ہونے پر ہمیں حرف بنا کر نصیحت کی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے ہم ان کی نصیحت بہ شکریہ قبول کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی آپ سے اتنا ضرور پوچھتے ہیں کہ ع

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر مے کنند

صفحہ ۹۲ پر آپ لکھتے ہیں۔ چنانچہ صواعق محرقہ صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے۔ زیادہ شد تعجب از اہل زبان خود کہ انکار تزویج عمر بام کلثوم مے کنند اس تحریر سے ثابت ہے کہ صاحب صواعق محرقہ کے زمانہ میں اور ان سے پہلے گروہ شیعہ کو واقعہ عقد سے انکار تھا مسٹر سلطان علی کی مادری زبان فارسی ہے کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل زبان خود کا ترجمہ اردو میں زمانہ حال اور ماضی کے شیعوں کا اضافہ کئے ہوئے ہے جب اتنی سی بات میں بھی آپ امین ثابت نہیں ہوئے تو آپکی تمام تحریر کی کیا وقعت ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تحقیق و تفتیش کی غرض سے نہیں لکھتے بلکہ آپ کا مقصد ہر جائز و ناجائز طریقہ سے حق کو چھپانا ہے

ناظرین کرام انصاف فرمائیں کہ ایک حوالے کی نسبت مسٹر سلطان علی نے اس پیرانہ سالی میں جبکہ طبیعت فطرۃً توبہ و استغفار کی جانب مائل ہوتی ہے کتنے پینترے بدلے ہیں اور کس قدر دروغ بیانی سے کام لیا ہے باقیوں کا اندازہ قیاس کن زگلستان من بہار مرا سے ہو سکتا ہے

(۲) پھر سلطان علی صاحب نے اپنے قاضی نور اللہ شستری کی تحریر (اگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد) کا خاکہ اڑایا ہے کہ یہاں اگر بمعنی فرض ہے یعنی ہر گاہ بقول تمہارے نبی نے عثمان کو

دختر دی تو علی نے عمر سے قرابت کی مطلب یہ ہوا کہ نبی نے ایسا کیا اور نہ علی نے۔ قاضی صاحب کے نزدیک اگر زینبؓ و رقیہ آنحضرت کی صلبی لڑکیاں ہوتیں اور جناب امیر نے ام کلثوم کا نکاح عمر سے کیا ہوتا تو اگر نہ فرماتے اس سے واضح ہوگیا کہ تمام تر تقریر بغرض غلط کی گئی ہے اگر کے معنی "نہ" اور لغرض[۱] شیعی لغات میں ہونگے اور تو کہیں نہیں دیکھے گئے۔ سلطان علی صاحب ذرا اپنا اگر ملاحظہ کریں اور پھر اسے قاضی جی کے اگر سے ملا کر معنے کریں تو آپ کی توجیہہ کے مطابق معنے یہ ہونگے کہ اگر قاضی صاحب کے نزدیک وہ لڑکیاں رسول کی ہوتیں تو قاضی جی اگر نہ فرماتے یعنی نہ وہ لڑکیاں رسول کی تھیں نہ قاضی جی نے اگر فرمایا۔ حالانکہ یہ معنے نہیں بنتے کیونکہ یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ قاضی جی نے اگر نہیں کہا علاوہ ازیں قاضی صاحب کا اس عبارت کے ملحقہ فقرہ کہ اگر نبی

بوقت عجز بغار فرار نمودے بوقت منع وعجز در خانہ بروئے خود فراز کرد ثابت کر رہا ہے کہ اس اگر سے قاضی کا مقصد انکار کرنا نہیں بلکہ علی کے فعل دختر فرستادن و در خانہ فراز کردن کا جواز نبی کے فعل دختر بعثمان دادن و بغار فرار نمودن سے ثابت کرنا ہے نہ یہ بتانا کہ نہ نبی نے عثمان کو لڑکی دی نہ علی نے عمر کو نہ علی عاجز ہو کر گھر بیٹھے نہ نبی غار کو تشریف لے گئے اگر شیعہ اس اگر کے معنی بھی نہی کے کریں تو معاملہ ہی صاف ہوجاتا اور حضرت علی کے بوقت بیعت عمر خانہ نشینی جسکا نتیجہ احراق باب فاطمہ بتایا جاتا ہے کے طعن اور حضرت علی کے بوقت ہجرت النبی بستر نبوی پر سونے کی فضیلت کا خاتمہ ہوجاتا ہے کیونکہ نہ حضرت علی کی منع بیعت ثابت ہوگی نہ گھر جلانیکا طعنہ قائم ہوگا نہ نبی کی ہجرت ثابت ہوگی نہ حضرت علی کی بستر نبوی پر آرام کرنے کی شان بیان کی جائیگی کیا شیعہ اس اگر کے معنے بھی نہی کے کرینگے اگر نہیں کرینگے[۲] ان کو کیا حق حاصل ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔

---

[۱] سلطان علی صاحب نے بار بار زینب و رقیہ کا نام لیا ہے آپکو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حضرت عثمان کے نکاح میں رقیہ و ام کلثوم بنات النبی آئیں نہ کہ زینب جو زوجۂ حضرت ابوالعاص تھیں۔ بنات النبی کے خلاف آپ نے حائری وغیرہ کے اگلے ہوئے نوالہ کو پھر نگلا ہے حالانکہ ہم اپنی لاجواب کتاب دختران نبی میں ہر اعتراض کا جواب دے چکے ہیں کاش سلطان علی کو دوسرے رافضیوں کی قے چاٹنے کی عادت نہ ہوتی اور کوئی نئی بات پیدا کرتا۔

[۲] رافضی کی گستاخی ملاحظہ ہو کیسی گستاخی سے ہجرت کو فرار سے تعبیر کرتا ہے

کہ اسی عبارت میں دوسرے اگر کے معنے نہ کے کریں یہ تو شیعوں کو بھی معلوم ہے کہ قاضی صاحب کا یمان حضرت جعفر صادق کے قول لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ پر تھا اسلئے آپ نے جہانگیر غازی کے پیر صاحب کے علانیہ گالیاں دیں اور مارے گئے اگر ان کو اس نکاح سے انکار کرنا ہی مطلوب ہوتا تو علانیہ کر دیتے تقیہ نما کلام کرنے کی کیا ضرورت تھی

[illegible]

(س) اثبات نکاح کی تیسری دلیل کی سلطان علی صاحب نے نہ کوئی تردید کی ہے نہ تاویل بیان فرمائی ہے بلکہ فرمایا ہے کہ مجالس المومنین کی عبارت یوں درست ہے کہ دادن دختر بہ عمر کہ جناب امیر المومنین را اتفاق افتاد باین جہت بود کہ اظہار شہادتین مے نمود بزبان واقرار بفضل حضرت امیر میکرد و دراں باب اصلاح غلظت و فظاظت او نیز منظور بود و ایں قبضہ شدیدتر ازاں نبود کہ حضرت لوط پیغمبر عرض دختران بر قوم کافر مے نمود بمضمون آیہ کریمہ ھٰؤلآء بناتی ھن اطھر لکم (اصلاح الہدیۃ حصہ سوم صفحہ ۹۸) آپ نے نہایت مہربانی سے مجالس المومنین کی عبارت کا مطلب اردو میں بھی سنتے پیان کر دیا ہے کہ اگرچہ علی نے بقول تمہارے (لکن صاحب مجلس پر محض افترائے سلطانی ہے کیونکہ لستے تصرف کے بغیر آپکا مدعا حاصل نہ ہو سکتا تھا) شرم شرم شرم عقد کیا تو کیا قباحت شرعیہ لازم آئی عمر خدا و نبی کے منکر ظاہری نہ تھے اور حضرت امیر کی فضیلت کے قائل تھے حضرت لوط نے تو بغرض ترک عادت لواطت کفار سے کہا تھا کہ تم اس خوئے بد کو چھوڑ دو اور لڑکیوں سے جو کہ طاہرہ عفیفہ ہیں دلخوش کرو چونکہ عمر درشت طبیعت تھا اگر بایں طریقہ حضرت امیر نے انکے مزاج کی اصلاح چاہی تو کیا حرج ہے اس تقریر سے عمر کے معائب بھی بیان کر دئیے اور خصم کو ساکت بھی کر دیا یار عزیز! آپ کی مجالس والے صاحب نے اغلظ اغلظ کی اصلاح طبیع کا نسخہ بہت عجیب بتایا ہے اب صرف سوال یہ باقی رہتا ہے کہ جو حضرت عمر کی درشت طبعی کی اصلاح کیلئے دوا دیگئی اس نے ان کے مزاج کی سختی کو نرم بھی کیا کہ نہ ضرور کیا ہوگا حضرت علیؓ سا دانا حکیم جو اپنے پاس سے دوا دے وہ کارگر نہ ہونا ممکن ہے اس سے ضرور حضرت فاروق اعظم نرم دل ہو گئے ہونگے مگر حیف ہے شیعان علی

لہ پانچ الفاظ قرآنی لکھنے میں آپ نے دو غلطیاں کی ہیں جس سے یار عزیز کا علم قرآن عیاں ہے۔ ہم نے آیہ کریمہ درست لکھ دی ہے۔

1135 114

پر کر وہ ابھی تک اسد اللہ الغالب کے زنانے ہونے کو درشت مزاج بتاتے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان حضرت علی کی حکمت پر نہیں

مسٹر سلطان علی کی خواہش دلالی

(۴) یار عزیز مسٹر سلطان علی! آپ کے بیانات بعدالت جج صاحب لودھانہ پڑھکر معلوم ہوا ہے کہ آپ اتنے غریب و نادار ہیں کہ آپ کی ہمشیرہ محترمہ آپکی پتلی حالت دیکھ کر اس امر پر مجبور ہوئی کہ رحم سے کام لے اور اپنے شرعی حصہ کا مطالبہ نہ کرے تاکہ آپکا طرہ و دستار قائم رہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس گرانی کے عالم میں یہ مدد آپ کے لئے ناکافی ثابت ہوئی اور مفلسی کے دور کرنے کے لئے آپکی نظر رقوم دلالی پر ہے جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب زیر بحث میں خواہش کی ہے شاید آپ کی گذر اوقات کا ایک وسیلہ انہی رقوم سے ہوتا ہوگا ہمیں اس سے پیشتر یہ علم نہ تھا کہ آپ کا یہ پیشہ ہے اور آپ اس میں مہارت تامہ رکھتے ہیں ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آجکل تمام کاروبار بند پڑے ہیں اس لئے آپ کے صیغہ تجارت پر بھی اس کا ضرور اثر پڑا ہے جو آپ نے بطور اشتہار اپنے کمالات کا اظہار کیا ہے تاکہ ناظرین میں سے جس کسی کو آپ کی خدمات مطلوب ہوں وہ آپ سے دلالی مقرر کرکے اپنی مراد حاصل کرے لیکن مشکل یہ پڑی ہے کہ آپکی گرم گفتار نے آپ کے مخالفین کی تعداد میں اضافہ کر رکھا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بطریق مروجہ صاحب مجالس انکی غلظت و کثافت طبع کو دور کیا جائے اور چند کمیشن یا دلالی مقرر کرکے اور درشت طبع آدمیوں کی اصلاح کی دوا تلاش کی جائے انشاءاللہ تمہارے ریل پیل ہو جائیگی اور آپ کا وقار قائم رہے گا آپ ہراساں نہ ہوں محنت سے کام کئے جائیں سدا دن ایک جیسے نہیں رہتے خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے

آمدم برسر مطلب اب ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے مندرجہ بالا قاضی صاحب کی عبارت اور اپنے ترجمہ میں کونسا فقرہ خلاف نکاح سیدہ بتایا جو بھی پڑھے گا یہی نتیجہ نکالے گا کہ نکاح سے انکار کی گنجائش نہیں اور اس میں کوئی ایسی بات ہے جو حضرت عمر کے معائب کی مظہر ہو اور نہ ہی کوئی مفر القعاد نکاح اس سے ساقط ہو سکتا ہے بلکہ خدا نے تو آپ کی زبان سے زبردستی یہ نکلوا دیا کہ حضرت عمر کے اس نکاح سے کوئی قباحت شرعیہ لازم نہیں آتی زیادہ سے زیادہ آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش

کی کہ حضرت عمرؓ درشت طبع تھے مگر اس سے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے کیا درشت خو اشخاص کنوارے ہی رہا کرتے ہیں۔ یار عزیز کچھ تو سمجھ کر بات کیا کرو ۔

چہل سال عمر عزیزت گذشت مزاج تو از حال طفلی نگشت

مسٹر سلطان علی کا چکڑالوی پن

(۵) ان ذالک فرج غصبناہ کے فرمان حضرت جعفر مندرجہ کافی سے چونکہ بہت دور تک بانی مرتا تھا اسلئے آپ نے خیریت اسی میں دیکھی کہ اپنی تمام کتب احادیث کو ناقابل اعتبار بنادیں چنانچہ آپ نے صـ۱۲ پر فرمایا کہ ہم اپنی کسی کتاب حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ایک حدیث دوسری کی ناقض اور مخالف واقع ہوئی ہے حالانکہ آپنے اس حدیث کے مخالف کوئی حدیث نہیں بتائی نہ آپ کے بیان کو تقویت ہوتی پھر صـ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ کتاب کافی وغیرہ وغیرہ کتب حدیث کی نسبت ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ مولفین کو جو کچھ رطب و یابس ملا و بلا تنقیح و تنقید لکھ دیا جب آپ کے مذہب کا حال یہ ہے کہ آپ کی کوئی کتاب صحیح نہیں قرآن سے آپ روگردانی کر چکے ہیں تو پھر ہم نہیں جانتے کہ کس اصول سے آپ کے ساتھ گفتگو کریں اور جو کچھ آپ کے علماء کر رہے ہیں ان کا جواب آپ کی کن کن مسلمات سے دیں ہم انفرادی طور پر بحث میں آنا نہیں چاہتے کیونکہ اسطرح ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی واقعہ سے انکار کر دے ہر مذہب کی مسلم کتب ہیں اور انہی سے کام لینا پڑتا ہے روافض کی کوئی کتاب اگر مسلم نہیں تو یہ کوئی مذہب ہی نہیں بلکہ محض مکر و فریب ہے جو سراب کی حیثیت رکھتا ہے

خلاف حق لکھنے کو تو لکھ گئے مگر پھر خیال پیدا ہوا کہ اس دھڑے سے تمام محدثین کی کمائی پر ہاتھ صاف کر دینے سے ہمارے ہاتھ پلے کچھ نہیں رہیگا کیونکہ شیعی مذہب کی بنا ہی روایتوں پر ہے تو اس حدیث کی کچھ تاویل کر دیں تاکہ بیگ کرشمہ دو کار آید۔ پہلے اسکے راویوں میں ابن بکار کو کاذب و دشمن اہل بیت بتایا حالانکہ یہ حدیث زبیر ابن بکار سے مروی نہیں پھر لفظ غصب سے غضب مراد لیا جو بالکل غلط ہے پھر لفظ فرج کی نسبت بتایا کہ یہ فحش نہیں کیونکہ ایک لفظ ایک زبان میں کچھ معنے رکھتا ہے دوسری میں کچھ مثلاً ملتان میں کھیر دودھ کو کہتے ہیں حالانکہ لاہور میں اسے شیر برنج کے معنوں میں لیتے ہیں۔

اسیطرح بتایا کہ لفظ فرج مندرجہ کافی کو شرمگاہ سمجھکر اس پر ایراد بد تہذیبی کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس کا بولنا ہرگز معیوب نہیں اسے ہندی محاورات پر منطبق کرکے معترض نہیں ہونا چاہئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون لکھتے وقت یار عزیز کی عقل کو ٹشہ کی ہوا کھا رہی تھی اسلئے فتوے حارثی کے مطابق ان کو ہر حصہ جسم جو صاف ہو یکساں چوم لینے کے قابل نظر آیا لہذا اپنا نانا فرج کو غیر شرمگاہ بتا کرا سے دودھ اور کھیر کی مثالوں سے نرم کیا اور اتنا نہ سوچا کہ لفظ کھیرا ہوا اور ملتان میں دو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے ....

....

.... اور لفظ فرج پر اس مثال کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ عرب میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ایران میں شرمگاہ پس کسی کا یہ فرمانا کہ پہلی فرج (شرمگاہ) تھی جو ہم سے چھین لی گئی نہایت مکروہ اظہار مطلب ہے اگر یہ فرماتے کہ پہلی عورت ہے جو ہم سے چھینی گئی تو چھینو انیکا اعتراض باقی رہتا نہ کہ فحش طریقۂ اظہار مدعا کا۔

پھر یار عزیز نے قرآن وحدیث میں اس لفظ کے استعمال کا ثبوت دیا ہے جس سے ہمارا اعتراض رفع نہیں ہو سکتا کیونکہ بیان مسائل میں جس عضو کے متعلق مسئلہ بتانا ہو اس کا نام لینا پڑیگا اسیطرح کتب لغت میں ہر لفظ کے معنی بتانے کے لئے خواہ عام طور پر اس کا زبان پر لانا خلاف تہذیب ہو اس کو درج کرنا پڑیگا اور ڈاکٹری کی کتابوں میں بیان امراض یا تشریح کے لئے اسکا نقشہ بھی درج کرنا ضروری ہوگا۔ کیا کل کتب لغت وطب سے یہ لفظ اور اسکا نقشہ دکھا کر ہمیں قائل کر سکتے ہیں کہ جسطرح کافی میں یہ لفظ مذکور ہوا ہے وہ خلاف تہذیب نہیں!!!

یار عزیز! ہمارا اعتراض تو یہ ہے کہ جسطریق سے تزویج ام کلثومؓ کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہایت سوقیانہ اور خلاف تہذیب ہے نہ یہ کہ اپنے موقع پر جسم کے کسی حصہ کا نام لکھنا ہی علامت بد تہذیبی ہے لیکن ہم پھر پوچھتے ہیں کہ نکاح کا رد اس سے کسطرح ہو سکتا ہے آپ خواہ کتنا ہی آئیں بائیں شائیں کرکے اس نکاح کا انکار کریں کبھی کامیاب نہیں

ہو سکتے اور جو آپ کے متقدمین اقرار نکاح کر چکے ہیں وہ نہیں مٹ سکتا۔ ؎

گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

(۶) یار عزیز نے نہایت شدت سے حضرت جعفر صادق کی حدیث مرویہ ہشام بن سالم کی تکذیب کی ہے اس حدیث میں انعقاد نکاح کا کھلے لفظوں میں اقرار ہے مگر اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے سقایہ زمزم کا عہدہ چھیننے معاذ اللہ بے عزت کرنے اور چوری کے الزام میں ہاتھ کاٹنے کی دھمکی وغیرہ کا ذکر کیا یار عزیز نے اس مجموعہ منخرفات پر بوقت ترجمہ یہ اضافہ کر دیا کہ حضرت عباس نے حضرت عمر سے کہا کہ انہوں (علیؓ) نے اسکو اپنے برادر زادہ سے منسوب کیا ہے عمر نے کہا کہ اس جگہ سے نسبت چھڑا کر مجھ سے کرا دیجئے۔ حالانکہ اصل حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جسکا یہ ترجمہ ہو۔ وہاں تو الخطبت الذی ابن اخیک فردنی ہے جسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے عباس میں نے تمہارے بھائی کے بیٹے سے خواستگاری کی مگر اس نے جواب دیدیا۔ جب رافضی منبر پر جھوٹ بولنے سے نہیں شرماتے تو کافی وغیرہ کی خفیہ تصنیف کرتے وقت انہوں نے افترا پردازیوں سے کیوں کام نہ لیا ہوگا نکاح کے انعقاد کا انکار کر جانا ان کے لئے معمولی بات تھی مگر اس سے ان کا مقصد ہتک عزت صحابہ و اہل بیت پورا نہیں ہو سکتا تھا اسلئے نکاح کے ساتھ یہ بیان کر دیا کہ عمرؓ بڑا سخت مزاج شخص تھا اس نے ڈرا دھمکا کر اپنا مطلب حاصل کر لیا اور حضرت علیؓ اور عباس وغیرہ بنی ہاشم ایسے بودے اور ڈرپوک تھے کہ ذرا سی دھمکی اور خوف نقصان سے مرعوب ہو گئے اور لڑکی حوالے کر دی آہ یہ سب دشمنان دین کی افترا پردازیاں ہیں حق یہی ہے کہ نکاح جانبین کی رضامندی سے بلا جبر و اکراہ ہوا۔

یار عزیز! ہم اصل کتاب میں آپ کے اعتراض صغر سنی ام کلثوم اور ام کلثوم بنت ابوبکر کے متعلق کافی وشافی جواب دے چکے ہیں۔ یہاں اعادہ تحصیل حاصل ہے

(۷) جنی والی روایت ہم نے سیف صارم سے لکھی تھی مگر یار عزیز نے نہایت مہربانی سے اسے بحروف عربی ملا باقر مجلسی کی کتاب بحار الانوار سے بحوالہ کتاب خرائج الجرائح نقل کر کے ہمارے بیان کی تائید کی ہے کہ واقعی کتب شیعہ میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے بخوف اتلاف حقوق عباسؓ ایک جنیہ عورت کو جو بصورت انسان متشکل ہو کر نجران میں یہودیہ عورتوں کے ساتھ رہتی تھی مذہب یہود اختیار کیا ہوا تھا اور اسکا نام

سخیفہ تھا اسے بلایا اور اسے ام کلثوم کی شکل پر متشکل کر کے عمرؓ کے حوالے کیا جو بعد قتل عمرؓ میراث لے کر نجران کو چلی گئی۔

اپنی معتبر کتب سے یہ روایت نقل کر کے آپ فرماتے ہیں کہ منظور صاحب اپنے یہاں کی روایات اور مخترعات سے آگاہ نہیں ہمارے یہاں تو حدیث کی کتابیں صحیح نہیں لہذا اوقات ایک دوسرے کے خلاف ہیں ص۱۱۲ احادیث کا نہیں نہیں بلکہ اپنے مذہب کا خاکہ اڑا کر آپ پچھتائے اور پھر ساڑھے چار صفحے یہ ثابت کرنے میں سیاہ کر دئے کہ جنیہ کا بشکل انسان متشکل ہونا بعید ازخیال نہیں گویا آپ نے دبی زبان سے مان لیا کہ نکاح تو ضرور ہوا ہے مگر حضرت علیؓ نے بجائے اصل دختر کے نقلی دختر فاروق اعظمؓ کے حوالے کر دی تھی سلطان علی صاحب کی حالت پر رحم آتا ہے کہ بچارے کیسے مخمصے میں پھنسے ہیں دیکھتے ہیں کہ نکاح اپنی کتب معتبرہ سے ثابت ہے مگر حضرت فاروق اعظمؓ سے بغض آمنا و صدقنا نہیں کہنے دیتا لہذا اپنی احادیث و روایات کی تکذیب کرتے ہیں جب اس سے مذہب کی بنیادیں اکھڑتی دکھائی دیتی ہیں تو لاطائل تاویلیں کرنے لگتے ہیں غرض کسی پہلو مخلصی کی صورت نظر نہیں آتی آخر تھک کر قلم ہاتھ سے رکھ دیتے ہیں اور صفحہ ۱۱۸ پر اعلان کرتے ہیں کہ اب دوسرے مضمون کیطرف رجوع کرتا ہوں مگر قلم سے وہی پہلے مضمون کے متعلق ہی واہی تباہی باتیں نکلتی ہیں دعوے تو یہ ہے کہ ہم حضرت عقیل و عباس کو برا نہیں کہتے مگر تین صفحے یہ ثابت کرنے میں سیاہ کر دیئے کہ وہ دونوں (عم و برادر حضرت علیؓ معاذ اللہ ضعیف الیقین اور ذلیل النفس تھے الغرض بدحواسی گھٹا بانده کر آپ کے دماغ عالی پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہر بات میں تناقض ہے یوں تو آپ کی ہر تصنیف ہی مجموعہ ہزلیات ہے مگر مصباح الہدایت کا حصہ سوم سراسر خرافات کی پوٹ ہے ہمیں امید ہے کہ اگر شیعوں میں کوئی بھی سمجھدار ہے تو وہ ضرور ہمارے قول کی تائید کرے گا اور ہر حصہ مصباح الہدایت کی اشاعت پر شرمائے گا کہ ان میں کیسی بے دردی سے تہذیب شائستگی و صداقت کا خون کیا گیا ہے۔

الحمدللہ کہ ہم اثبات مدعا میں کامیاب ہوئے

ہم پیشتر ازیں اپنی کتب معتبرہ صحاح وغیرہ سے بھی نکاح ام کلثوم کے انعقاد کے متعلق ناقابل تردید شہادتیں پیش کر چکے ہیں اگر ہم نہ بھی کرتے تو کوئی حرج نہ تھا کیونکہ ہم سب اہل سنت اس عقد کے مقر ہیں اور ہم کو رافضی کو قائل کرنا ہے ہماری کتب ان کے لئے حجت نہیں ہو سکتیں اسلئے اثبات مدعا کا احسن طریق یہی ہے کہ خصم کو اسکے مسلمات سے قائل کیا جائے الحمدللہ کہ ہم اس میں کامیاب ہو گئے اور ہم نے ناقابل تردید ثبوت بہم پہنچا دئے سلطان علی صاحب نے جو تاویلیں کی تھیں ان کا جواب بھی دے دیا حضرت علی کا اپنی بیٹی کو فاروق اعظم کے پاس پسندیدگی کے لئے بھیجنے کا قصہ شیعی افترا ہے غالباً سب سے پہلے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغت میں اسے لکھا اور پھر اوروں نے نقل کیا ہمارا مسٹر سلطان علی سے اس بارہ میں اتفاق ہے کہ حضرت عمر نے نہ حضرت علی پر جبر کیا نہ حضرت عباس کو دھمکایا نہ ام کلثوم کو بلایا نہ سر سے چادر اتاری نہ کشف ساق کیا نہ بوسہ لیا اور نہ سینہ سے چمٹایا۔ دشمنوں نے خواہ مخواہ ایسا واقعہ کاذبہ آپ کے سر تھوپ دیا اگر اس واقعہ کی کچھ اصلیت ہوتی تو ارباب صحاح خصوصاً مسلم و بخاری بھی اس کو درج کرتے (مصباح الہدایت ص۸۵) ہماری صحاح میں اس عقد کا ثبوت موجود ہے جیسا کہ ہم پیشتر ازیں پیش کر چکے ہیں ہاں ان میں کافی وغیرہ شیعی کتب کی طرح یہ افترا پردازی نہیں کی گئی کہ نکاح جبر و تعدی سے ہوا

سرکار دربار میں مسلم کذب بیان سلطان علی خان

لاہور میں ایک گھر کے رافضیوں نے ایک انجمن بنا رکھی ہے جس کا مقصد بزرگان اسلام پر ناجائز حملے کرنا اور بہتان باندھنا ہے اس انجمن کی تحریروں سے شیعے بھی پناہ مانگتے ہیں چنانچہ ان کی کتاب مصباح الہدایت کی بدزبانی کا شیعی اخبار ذوالفقار کو بھی اقرار کر کے اس سے بیزاری ظاہر کرنی پڑی اور اس کے خلاف کاروائی کرنے کی گورنمنٹ کو صلاح دی ملاحظہ ہو اخبار ذوالفقار ۲۳ اس کتاب کے مصنف ایک صاحب ہیں جو غلام علی نہیں بلکہ سلطان علی ہیں حکومت کے لئے اور کچھ نہ ملا تو شیعیت سے کام لے کر

علی کو منتخب کر لیا اگر غلام علی بنتے تو شہزادگی کو بٹہ لگتا۔ اسلئے داغ غلامی مٹانے اور غداری شانے کے لئے نام سلطان علی رکھ لیا۔ یہ اسی سرکشی و طغیان کی شرارت ہے کہ مصباح الہدایت کے مصنف کی زبان بدگوئی اور کذب بیانی سے آلودہ رہتی ہے سرکاری حکام کی نظروں میں بھی آپ کذب بیان اور بے اعتبار ثابت ہو چکے ہیں جیسا کہ ہم ابھی ثابت کریں گے

سلطان علی صاحب کی زبان طعن بڑی دراز واقع ہوئی ہے آپ نے ایک دفعہ اپنی دو ورق کھلی چٹھی میں بہت سے الزامات اپنے لاہوری مجتہد پر لگائے تھے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جناب حائری نے سراج بیگم کے نکاح کے متعلق گواہی میں بڑی غلط بیانی سے کام لیا اور عدالت میں اظہار دیا کہ اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں حالانکہ وہ ان کے حقیقی چچا کے بیٹے کی ساس ہے اور حائری صاحب ہی نے یہ رشتہ مقرر کیا اور نکاح پڑھا تھا وغیرہ وغیرہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس بیان میں جناب صداقت شعار نے کس قدر سچائی سے کام لیا ہے مگر آپ کی عادت دروغگوئی سے آدمی یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اس میں بھی ضرور تقیہ کو دخل ہوگا۔

سلطان علی صاحب کو خطاب دروغگو دینے میں ہم حق بجانب ہیں کیونکہ ہمارے پاس اسکا تحریری اور عدالتی ثبوت موجود ہے اور وہ یہ کہ ۲ اگست ۱۹۲۲ء میں ہمارے دروغگو کے ایک ہم قوم نے محمد برکت علی خاں ایم اے سب جج لدھیانہ کی عدالت میں اپنے حصۂ پدری کے حصول کے لئے دعوے کیا آپ مدعا علیہ کی طرف سے ۱۲ دسمبر ۱۹۲۳ء کو بطور گواہ پیش ہوئے اور بالکل غلط بیانی سے کام لے کر آپ نے بیان کیا کہ ہماری قوم معاملات وراثت میں شریعت کی پابند نہیں ہماری دختران کو وراثت کا حصہ نہیں ملتا میری تین بہنوں کو کچھ نہیں ملا میرا ایک لڑکا؎ ہے میں نے اسکو بدچلنی کی وجہ سے محروم الارث کیا ہے مدعی نے مجھ سے خود بیان کیا تھا کہ میرا باپ ساری جائداد میرے دوسرے بھائی کے نام کر گیا ہے

؎ بیٹے کی بدچلنی کی ذمہ داری اسکے والد صداقت شعار کی عمدہ تربیت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی الولد سر لابیہ (باپ پر پوت الخ) کی ضرب المثل یہاں چسپاں کرنی چاہئے!!

اور ہیں اس بات پر بھائی کا تابعدار ہوں۔ الغرض مصباح ہدایت بکف گرفتہ صاحب
نے اپنی شہادت میں کوئی دقیقہ اپنے غریب بھائی کو نقصان پہنچانیکا باقی نہیں
رکھا آپ کی فرخ وحشی ملاحظہ ہو کر برسر عدالت بیان دیا کہ ہم شریعت کے نہیں بلکہ
رواج کے پابند ہیں تاکہ از روئے رواج وصیت نافذ ہو کر غریب بھائی محروم الارث
ہو جائے اُف ایک حقدار کو محروم کرنے کی کوشش کرنا اور پھر خلاف شریعت کے
گواہی دینا کس قدر ظلم ہے واقعی شیعوں کے گل وہ لگے ہاتھ میں ایسی ہی ہدایت
کی مصباح چاہیے جسکی روشنی میں حقداروں کے حقوق تلف کئے جائیں اور
اپنے ساتھ کل خاندان کو خلافِ شریعت رواج کا پابند بنایا جائے فی الواقع
شیعوں کے مصلح اور ریفارمر اور سلطان القلم ایسے ہی دشمنانِ شرع محمدی
ہونے چاہئیں !!!

سلطان علی صاحب نے یہ شہادت دینے کو تو دے دی مگر یہ نہ سمجھا کہ
جسکے خلاف گواہی دی جارہی ہے وہ گھر کے بھیدی ہیں لنکا ڈھا دیں گے اور
وہ رسوائی کرینگے کہ کبھی نہ مٹیگی چنانچہ وہ لاہور آگئے اور اس ہدایت کے چراغ بکف
شخص کی ساڑھے چھ سال پہلے کی ایک گواہی کی نقل حاصل کر کے داخل عدالت
کر دی یہ شہادت آپ نے اپنی ایک مرحومہ موجبہ شہزادی آغا بیگم کے حق میں خلاف
محمد بخش مدعا علیہ بعدالت منصف صاحب لاہور ۴ مئی ۳۰ء کو دی تھی اس میں
آپ نے خدا جانے بھول کر یا کسی لحاظ سے ٹھیک فرمایا تھا کہ تمام سدوزئی پٹھان
معاملات وراثت میں پابند شریعت ہیں اور بطور مثال بتایا تھا کہ شہزادہ سدجان
کی بابت کہ موضع ابراہیم آباد اپنے بھائیوں کی موجودگی میں ورثہ لیا ہے اور میری
حقیقی ہمشیرہ نے میری موجودگی میں شرعی حصہ لیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ
مصباح الہدایت کے مصنف نے اپنی ہمشیرہ کو حصہ دینے کے متعلق اپنی
مستورہ دروغ بافی سے کام لیا تھا کیونکہ اپنی شہادت کے اخیر میں آپ نے کہدیا کہ
کہ غریب بھائی کی آسودہ حال بہن حصہ نہیں لیتی اسی وجہ سے میری ہمشیرہ نے
حصہ نہیں لیا۔ اگر مانگے تو انکار نہیں ہو سکتا یہ نقل شہادت ملاحظہ کر کے سب جج صاحب
بہادر کو اپنے فیصلہ میں لکھنا پڑا کہ سلطان علی نے جو جاری عدالت میں بیان کیا اسکے
بالکل برخلاف وہ لاہور میں گواہی دے چکا ہے افسوس کہ مقدمہ ختم ہو گیا اور مضمون باقی رہ گیا ورنہ بڑی بہار

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

ماں باپ اور اقارب جو کچھ بھی چھوڑ جائیں
اُن میں سے عورتیں بھی بیشبہ حصہ پائیں

اس حکم کو نہ مانیں کہلا کے جو مسلماں
سمجھو وہیں باغی ان میں نہیں ہے ایماں

قرآن اور نبی کے احکام سے بغاوت
اللہ کی قسم ہے اسلام سے بغاوت

الحمد للہ کہ رسالہ نمبر [illegible]

عورت کا حصہ

از خامۂ حقیقت نگار صاحبزادہ غلام دستگیر صاحب نامی مؤلف امین الوارثین وغیرہ

جسمیں بتایا گیا ہے کہ شریعت حقۂ اسلامیہ میں کہ والدین و اقربا سے عورت کو کس فراخدلی اور انصاف سے حقوقِ وراثت عطا کیے گئے ہیں اور بزرگانِ دین سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ پنجابی مسلمانوں کے گلے سے رواج کا پھندا دور کر کے

عورتوں کو ان کے شرعی حقوق دلائیں

دائرۃ الاصلاح لاہور نے

بتقریب عرسِ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ماہ جمادی الآخر سنہ ۱۳۴۳ھ چھپوا کر مفت تقسیم کیا
کریمی پریس لاہور میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منکرین شریعت سے کیا سلوک کیا

یہ عجیب اتفاق ہے کہ منکرین شریعت کی ہدایت کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ماہ وصال میں یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے خدا کرے پابندان رواج اپنے خلاف شریعت عمل کو ترک کر دیں حضرت ابوبکر خلیفہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کئی قبائل ادائے زکوٰۃ سے منکر ہو گئے حضرت صدیق اکبر نے ان سے اس بنا پر جہاد کیا کہ شریعت کے جزو کا انکار کل کے انکار کا حکم رکھتا ہے آپ نے ان کے اقرار توحید و رسالت اور پابندی نماز و روزہ و حج کی کچھ پرواہ نہ کی اور ان کو ویسے ہی قتل کیا جیسے کہ منکرین اسلام کو کرتے ہیں اگر خلفائے راشدین کے عہد میں یا کسی مملکت اسلامیہ میں جہاں کہ حدود شرعی کی نگہداشت ہوتی ہو کوئی یہ کلمہ کفر کہہ دیتا کہ ہم مسلمان ہو کر قرآنی احکام وراثت کو نہیں مانتے تو ان سے مرتدوں جیسا سلوک کر کے حرب و ضرب سے ان کو سیدھا کیا جاتا اب بھی اگر افغانستان میں کوئی ایسا خلاف شریعت رویہ اختیار کرے تو یقیناً سنگسار کیا جائے پس پابند رواج لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ کیسے خطرناک فعل کے مرتکب ہیں جس درخت کے سایہ میں آرام پانا اسی کو کاٹنا۔ جس دین کے پیرو کہلانا اسی سے بغاوت کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اگر کوئی انگریزی رعایا کہلا کر انگریزی قانون کی خلاف ورزی کرے اور اس کے خلاف بغاوت کرے تو یقیناً گردن زدنی قرار پائے گا کیا قرآنی قانون سے بغاوت کر کے منکرین عذاب الٰہی سے بچ سکتے ہیں ہرگز نہیں بھائیو سوچو کہ تم کیسی خطرناک روش اختیار کئے ہو۔

اسلامی انجمنوں۔ واعظوں اور پیروں کا فرض

پنجابی مسلمان جہالت و خود غرضی سے معاملات وراثت میں خدا و رسول کے احکام کے جو منکر نظر آتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ہماری انجمنیں۔ واعظین۔ اور پیر صاحبان عوام کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے اور ان کی بے اعتنائی کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ان میں سے خود اسی رواج کفر شعار کے پابند ہوتے ہیں لہٰذا وہ حق گوئی کی جرات نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں وہ مسائل وراثت سے بھی باخبر نہیں ہوتے۔ پس وہ کس طرح بتائیں کہ عورتوں کا حصہ مختلف صورتوں میں کیا کیا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے وہ خود خدا سے اور عذاب آخرت سے ڈر کر اپنی اصلاح کریں اپنی رشتہ دار

عورتوں کو حصہ دیں۔ علم الفرائض سیکھیں پھر اوروں کو سکھائیں اور اللہ سے اجر پائیں علم وراثت اسلامیہ شرع محمدی میں ایک مشکل حصہ سمجھا گیا ہے اور اس کو ہمارے ہاں بھی نصف علم دین کہا گیا ہے مگر میرے خیال میں اگر حساب آتا ہو تو یہ علم چنداں مشکل نہیں میں نے چند ماہ بغیر مدد استاد اس کے اصول کو سمجھ کر اسکو نہایت آسان پیرایہ میں بشکل کتاب وراثت اسلامی مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا تھا مسلمانوں میں میرے جیسے ہزاروں محنتی اور شوق رکھنے والے نوجوان پیدا ہو سکتے ہیں جو اس علم دین کو حاصل کریں اور لوگوں کو راہ ہدایت دکھائیں اس میں ارشاد نبوی کی بجا آوری سے ثواب بھی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانها نصف العلم علم وراثت سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ نصف علم ہے یہ علمائے کرام و پیران عظام کا کام ہے اگر وہ اس طرف توجہ اور اپنے حلقہ اثر میں تبلیغ احکام شریعت کریں تو بہت جلد رواج کا اثر دور ہو سکتا ہے ۰

میں نے رسالہ ہذا میں کوشش کی ہے کہ عورتوں کے شرعی حصہ کے متعلق موٹے موٹے اصول ذہن نشین کر دوں اگر مسلمانوں نے اسے بغور پڑھا اور نیک نیتی سے کام لیا تو وہ اس مسئلہ سے بہت کچھ واقف ہو سکتے اور عورتوں کی داد رسی کر سکتے ہیں اللہ ان کو توفیق خیر عطا فرمائے ۰

مسلمانان عالم پنجابیوں پر کیوں طعنہ زن ہیں

سرزمین پنجاب کے کیا ہی کہنے ہیں یہ مردم خیز تو کیا ہوگی البتہ مذہب خیز ضرور ہے اسکے رہنے والے عجیب قسم کے انسان واقع ہوئے ہیں جب کسی نے چکنی چپڑی باتیں کیں اسی کے پیچھے ہی لگ گئے کسی نے کہا کہ میں خدا ہوں تو اسی کی تصدیق کر دی اگر کسی نے کہا کہ خدا کوئی نہیں تو اسی پر آمنا وصدقنا کہہ دیا اگر کوئی نبوت و رسالت یا احادیث کا منکر پیدا ہو گیا تو اس کی ہاں میں ہاں ملا دی کسی نے بزرگان دین پر سب و شتم کرنا کار ثواب جتایا تو دشنام دہی اپنا شعار بنا لیا پس ایسی ڈھل مل یقین آبادی اگر مسلمان کہلا کر یہ کہہ دے کہ ہم ہیں تو مسلمان مگر ہم قانون اسلام کو نہیں مانتے تو کوئی قابل تعجب بات نہیں۔

دوسرے صوبوں کے مسلمان اہل پنجاب کی منافقانہ مسلمانی پر ہنستے اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ کیسے مسلمان ہیں کہ دعوے تو پیروی اسلام کا ہے مگر عمل اسکے بالکل خلاف۔ یہ زبان پر تو

یہ اقرار ہے کہ قرآن ہماری دینی کتاب ہے یہی ہمارا قانون مذہبی ہے اسی پر ہمارا ایمان ہو اسی کو ہم منزل من اللہ مان کر داخل اسلام ہوتے ہیں مگر جب ہاتھ سے کچھ مال نکلتا معلوم ہوتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم روپیہ پیسہ کے معاملے میں اسکے احکام کو نہیں مانتے جہاں تک نماز روزہ کا تعلق ہے ہمارا سر نیاز خم ہے مگر مال کے معاملہ میں لین دین کے کام میں ہم رواج کے پابند ہیں شریعت کو نہیں مانتے ؎

گر جاں طلبی مضائقہ نیست — زر مے طلبی سخن درین است

پچھلے دنوں جو انبالہ میں ندوۃ العلماء کا جلسہ ہوا۔ اس میں بھی مسلمانان پنجاب کی قانون شریعت سے سرتابی کا نہایت افسوس سے ذکر کیا گیا اور یہ تجویز پاس ہوئی کہ مسلمانان پنجاب کو ترک رواج اور پابندی شریعت کی تلقین کی جائے تاکہ وہ عورتوں کے حقوق وراثت غصب کرنے کے جرم سے باز آجائیں اور آتش دوزخ سے محفوظ رہیں جو تقسیم ترکہ کے متعلق حدود مقرر کردہ خدا کو توڑنے کی وجہ سے ان کے لئے تیار ہے ملاحظہ ہو اس کے متعلق قرآنی وعید تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ...... وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اس میں حسب قرآنی تقسیم ترکہ نہ کرنے والوں کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ ایسی وعید ہے جو نماز و روزہ اور حج و زکوۃ کے تارک کو بھی نہیں سنائی گئی

ووٹ کا حق لینا اچھا یا حقوقِ وراثت!!

اللہ رب العلمین ہے اس کی رحمت کا ابر زن و مرد پر یکساں برستا ہے اس نے مردوں کی چیرہ دستیوں سے عورتوں کو بچانے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کے لئے قرآن میں کئی آیات نازل فرمائیں جن سے مسلمانوں نے .... اس صنف نازک و کمزور سے انسانوں جیسا سلوک شروع کر دیا۔ بیٹے نے ماں کی تعظیم فرمانبرداری۔ بھائی نے بہن کی دلجوئی اور خاوند نے بیوی کی دلداری اپنا اصول بنالیا اور ترکہ والدین و اقربا سے خدا و رسول کے حکم کے مطابق عورتوں کو حصہ دیا جانے لگا۔ مسلمان جہاں جہاں گئے یہی قانون اپنے ساتھ لیتے گئے حتی کہ ہندوستان میں بھی شرع محمدی کے مطابق مسلمان زن و مرد میں ترکہ تقسیم ہونے لگ گیا۔ پنجاب میں حضرت

اورنگ زیبؒ عالمگیرؒ کی وفات کے بعد سلطنتِ مغلیہ کو جب زوال آیا تو اہل پنجاب پر
سے شریعت کی گرفت کمزور ہو گئی اور وہ باپ دادا کے نامسلمانہ رواج کی طرف عود کر
آئے اور نامسلموں کی صحبت نے عربی نژاد مسلمانوں پر بھی اثر کیا اور وہ بھی ہندوانہ
رواج کے پابند ہو گئے اور شریعت کو ایسا بھلایا کہ انہیں پتہ ہی نہ رہا کہ ہم کس قانون کے
پابند ہیں اور شریعت کا کیا حکم ہے

چند سال سے مسلمانوں میں تعلیم کا چرچا ہوا قرآن شریف کے ترجمے شائع ہوئے
جنکے مطالعہ سے پتہ چلا کہ ہمارا طرز عمل بالکل ہندوانہ اور خلاف شریعت ہے ضمیر نے گوارا
نہ کیا کہ جس چیز کا مجھے علم ہے اسے دل میں لے کر بیٹھ رہوں اور دیگر مسلمانوں کو اس
سے آگاہ نہ کروں چنانچہ لاہوری احباب کی اعانت سے اس موضوع پر کئی رسالے
تالیف کر کے مفت تقسیم کئے گئے سب سے آخری ضخیم رسالہ "شریعت اور رواج" ایک
ہزار کی تعداد میں چھپکر ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو گیا اور ہم پھر دوسرے مشاغل میں مصروف
ہو گئے اب ندوۃ العلما کے جلسہ میں پاس شدہ قرارداد سے سمند طبع پر ایک اور تازیانہ
ہُوا. اور پھر ایک مباحثہ میں شرکت کا موقع ملا جس میں زیر بحث مضمون یہ تھا کہ عورتوں
کو ووٹ دینے کا حق دینا چاہئے کہ نہیں اس میں سوائے مولوی محرم علی صاحب چشتی
اور ایک ڈی اے وی کالج کے پروفیسر صاحب کے سب نے اسی بات پر زور دیا کہ
عورتیں بھی ہماری طرح انسان ہیں ان کو ضرور حق ملنا چاہیے عورتوں نے بھی تقریریں
کیں کہ وقت آگیا ہے کہ ہم غلامی سے نکلیں اور مردوں کے دوش بدوش ملک وابنائے
ملک کی خدمت کریں اور ان حقوق سے متمتع ہوں جو مردوں کو حاصل ہیں تقریر کرنے
والی اکثر مسلم عورتیں تھیں جو اپنے خاوندوں یا باپوں کے نام پر مسز فلاں یا مس فلاں
لکھکر پکاری گئیں مجھے افسوس ہوا کہ ان بیچاریوں کے اپنے نام بھی نہیں یہ صرف ووٹ
دے سکنے کا حق طلب کرتی ہیں تاکہ میلوں اور جلسوں میں آزادانہ چل پھر سکیں. کاش
انہیں معلوم ہوتا کہ اسلام نے عورتوں کے کس قدر حقوق دے رکھے ہیں اور ایک مسلمان
عورت کس طرح پردہ میں فارغ البالی سے زندگی کاٹ سکتی ہے تو یہ استحقاق ووٹ
کو بے حقیقت شے سمجھتیں کیونکہ جو حقوق انہیں ووٹ کا حق حاصل کر کے بھی نہیں
مل سکتے. وہ بلکہ اس سے زیادہ اسلام نے عورت کو پہلے ہی دے رکھے ہیں ؛

مرد عورتوں کو مقرر کردہ خدا حقوق عطا کردیں تو انہیں ثواب بھی ہو ورنہ وہ وقت آرہا ہے کہ عورتیں ان کا ٹھینگوا دبا کر حق لیں گی اور مردوں کو اس طرح سے حق رسانی کا کوئی ثواب نہ ہوگا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ بہ تعمیل حکم خدا و رسول حق بحق دار رساند

شریعت محمدیہ کا بے نظیر عدل

یہ مضمون پڑھکر خدا ترس مسلمانوں کو یہ معلوم کرنے کا شوق ہوگا کہ اسلام نے والدین واقرباء کے ترکہ سے عورت کے کیا کیا حقوق مقرر کر رکھے ہیں اس لئے میں ان کی آگاہی کے لئے آئندہ اوراق میں مختصراً یہ مسئلہ حل کئے دیتا ہوں امید ہے وہ اس کو پڑھکر اسلام کی حقانیت کے اور بھی قائل ہو جائینگے کہ اس نے عطائے حقوق میں کس قدر قرابت کا لحاظ رکھا ہے اور میت کے وارث وہی مقرر کئے ہیں جنکو زندگی میں اس سے زیادہ تعلق رہا ہو اس لئے اس کے بعد بھی وہی ترکہ لینے کے زیادہ مستحق تھے اسلام نے یہ روا نہیں رکھا کہ مرنے والے کا نسبی تعلق اور قدرتی محبت تو بیٹی اور بہن سے ہو اور زندگی بھر وہی اس کی خدمت کرتی رہیں مگر اس کے مرنے کے بعد داوا لگڑے...... دادا کی اولاد کو وارث بنا دیا جائے جو تمام عمر اس سے لڑتے جھگڑتے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ یہ کب مرتا ہے اور ہم اس کے متعلقین کو نکال کر قبضہ کرتے ہیں۔ بھلا یہ انصاف کا یہ تقاضا تھا نہ اسلام نے ایسا کیا۔ آپ یہ معلوم کرکے مطمئن ہونگے کہ شرع محمدی میں مرد عورت میں ترکہ تقسیم کرتے وقت یہ اصول قرار دے لیا گیا ہے کہ عورتوں پر مردوں کی فضیلت قائم رہے اور ہر حالت میں یکساں قرابت رکھنے والے زن و مرد کو حصہ اس نسبت سے ملے کہ مرد دو عورتوں کے برابر حصہ پائے ؛

امید ہے کہ آپ اس امر میں میرے ساتھ متفق ہونگے کہ عورت ایک کمزور مخلوق ہے اور اسکے حصہ کو ہتھیا کر امیر بننا اور گل چھرے اڑانا مردی نہیں بلکہ دون ہمتی اور کمینہ پن ہے عورت کو مرد سے پہلے ہی نصف ملا ہے اس نصف کو بھی غصب کر لینا انصاف سے کوسوں دور ہے ؛

زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں سے سلوک

آفتاب اسلام کی ضیا پاشی سے پیشتر عرب میں جہاں اور خرابیاں رائج تھیں

وہاں لڑکیوں سے ظالمانہ برتاؤ کرنے کی بھی برائی موجود تھی چنانچہ لڑکی کی پیدائش کو نہایت منحوس خیال کیا جاتا تھا اور اکثر اوقات ان کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اس واقعہ کو حالی مرحوم نے اپنے مسدس میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

اگر پیدا ہوتی کسی گھر میں دختر — تو خوفِ شماتت سے بے مہر مادر
پھرے دیکھتی جب کہ شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جے سانپ جیسے کوئی جننے والی

دوسروں کی اولاد سے بے رحمانہ برتاؤ کرنے کا تو کیا ذکر خود اپنی اولاد سے جو سنگدلی برتی جاتی تھی اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

ایک دن قیس بن عاصم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کسی انصاری نے ان کے سامنے لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے کا ذکر چھیڑا قیس نے کہا کہ میں ننگ و ناموس کے خوف سے اپنی تمام لڑکیاں دفن کر چکا ہوں حضور علیہ السلام نے پوچھا کیا کبھی تم کو رحم بھی آیا عرض کیا نہیں ہاں ایک لڑکی کے زندہ دفن کرنے سے میں اب تک پشیمان ہوں پوچھا وہ کیسے کہا میں ایک دفعہ سفر کو گیا ہوا تھا میرے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کی ماں نے اسے اپنی بہنوں کے حوالے کر دیا جب میں سفر سے واپس آیا تو میری بیوی نے بتایا کہ ایک مردہ بچہ پیدا ہوا تھا جس کو دفنا دیا گیا میں یہ سنکر خاموش ہو رہا اور وہ لڑکی پرورش پاتی رہی یہاں تک کہ خاصی عمر کی ہو گئی ایک دن وہ اپنی ماں سے ملنے آئی اچانک میں بھی پہنچ گیا اس کی ماں نے اسے مانگ پٹی اور لباس زیور سے خوب آراستہ کیا ہوا تھا مجھے اس کا حسن و جمال بہت پسند آیا پوچھا یہ کس کی لڑکی ہے یہ سن کر اس کی ماں رونے لگی اور کہنے لگی یہ تمہاری بیٹی ہے میں یہ سنکر چپکا ہو رہا اور کچھ نہ جتایا یہاں تک کہ اس کی ماں غافل ہو گئی ایک دن میں موقع پا کر اسے باہر لے گیا اور ایک گڑھا کھود کر لڑکی کو اس میں دھکیل دیا لڑکی بولی۔ ابا جان یہ تم نے کیا کیا میں نے کچھ جواب نہ دیا اور مٹی ڈالنی شروع کر دی وہ کہنے لگی ابا جان کیا تم مجھے اس مٹی سے پاٹ دو گے کیا تم مجھے یہاں اکیلی چھوڑ کر چلے جاؤ گے وہ برابر یہی کہتی رہی یہاں تک کہ میں نے گڑھے کو پاٹ کے زمین کے برابر کر دیا اور اس کے ساتھ اس کی آواز بھی بند ہو گئی یہ سن کر رسول

ـــــــ
؎ سنگدل روا جیوں کا قاعدہ اور سنگدلی زندہ درگور کرنے سے بدتر ہے کیونکہ موت اصلی زندگی سے بہتر ہے جو قوت، حمیت اور

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا بیشک یہ سنگدلی ہے اور جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر کوئی رحم نہیں کرتا ہے

جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر ہے   جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

اسلام نے لڑکیوں کو زندگی بخشی

جب لڑکیوں سے اس قدر بیر جانہ اور ظالمانہ سلوک ہو رہا تھا تو غیرت الٰہی جوش میں آگئی اور اس نے اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا حضور نے عرب کو لڑکیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی اور فرمایا کہ جس شخص کی تین یا دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر خرچ کرے یہاں تک کہ وہ ان کی شادیاں کر دے یا یہ کہ وہ مر جائے تو وہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کا پردہ ہو جائیں گی یعنی کہ وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا اللہ پاک نے دختر کشی پر بڑی سختی سے زجر فرمائی ہے اور لڑکی مارنے والے ظالموں کو قابل خطاب بھی نہیں سمجھا بلکہ بتایا ہے جب کہ سورج کی نورانی چادر کو لپیٹ دیا جائے جس وقت تارے جھڑ جائیں گے جس وقت پہاڑ اپنی جگہ سے چلائے جائیں گے اور جس وقت روحوں کو ان کے جسموں سے ملا دیا جائیگا اور جس وقت یعنی (روز محشر) زندہ درگور کردہ لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ کس قصور کے بدلے تو ماری گئی تھی وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۔۔ ۔ آہ اس بیچاری معصومہ سے کوئی جرم بھی نہیں ہوا۔۔۔ مستوجب قتل جرموں (زنا بعد شادی۔ ارتداد قتل مسلم) میں سے نہیں ہوا تھا وہ صرف اس لئے ماری گئی کہ وہ لڑکی تھی پس اس کے بے گناہ قتل کی سزا جہنم نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہے!!!

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں سے حسن سلوک کی ہدایت کی اور ان کے قاتلوں کو وعید عذاب سنائی جس کا یہ اثر ہوا کہ دختر کشی کی رسم عرب سے بالکل نابود ہو گئی اور وہ آزادی سے زندگی کے دن گزارنے لگیں۔ فالحمد للہ علی ذالک

اسلام نے لڑکیوں کو حصہ دلایا

اسلام نے نہ صرف لڑکیوں کے قتل کو بند کیا بلکہ ان کو ترکہ والدین سے حصہ بھی دلایا حالانکہ عرب میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو اسی طرح حصہ نہیں دیتے تھے

جسطرح کہ اب تک ہندوستان میں ہندو اور مسلم غاصب دونہیں دیتے ہیں مگر اللہ نے
لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ الخ کا حکم صادر فرما کر لڑکیوں کو حصہ دار ٹھیرا لیا

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اوس بن ثابت انصاری نے جب وفات
پائی۔ تو اس کے دو بھتیجے ان کے مال پر قبضہ کر بیٹھے اس کی بیوہ ام کحہ آنحضرت صلعم کی
خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ یا حضرت اس بندی کے خاوند نے وفات پائی اور تین
یتیم بچیاں چھوڑیں میں اتنی مالدار نہیں کہ ان کی پرورش کر سکوں ان کے باپ نے بہت
سا مال چھوڑا ہے لیکن سوید اور عرفجہ نے اس کو لے لیا ہے مجھے اور مرحوم کی بیٹیوں کو
کچھ نہیں دیتے آنحضرتؐ نے اسی وقت ان دونوں کو بلایا انہوں نے کہا یا رسول اللہ
صلعم ہم میں یہی رواج ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جاؤ دیکھو خدا تعالیٰ تمہارے
حق میں کیا فیصلہ کرتا ہے چنانچہ وہ آیت نازل ہوئی جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور جس
کی رو سے لڑکیوں کو محروم الارث رکھنے کی رسم بد سرزمین عرب میں سے موقوف
ہو گئی۔ الحمد للہ علی ذالک ؎

عورت ہر حیثیت میں حقدار وراثت ہے

اسلام نے عورت کو ہر حیثیت رشتہ داری میں حقدار وراثت ٹھیرایا ہے اور اسکو
لئے ایک عام حکم نافذ فرما دیا ہے کہ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا،
یعنی والدین اور اقربا کے ترکہ میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ خواہ مال متروکہ
کم ہو یا زیادہ ہر ایک کا حصہ ادا کرنا فرض ہے ہاں حصہ مقرر کرنے میں اللہ تعالے نے
انصاف کو ضرور مد نظر رکھا ہے اور مرد کی فضیلت محنت مشقت کمائی اور اخراجات
کو ملحوظ رکھتے ہوئے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ کا ایک قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جہاں
مرد و عورت یکساں قرابت کے ہوں وہاں مرد کو دو عورتوں جتنا دیا جائے چنانچہ
جہاں مرد کو شوہر ہونے کی حیثیت سے چہارم ملتا ہے وہاں عورت کو زوجہ ہونیکی
صورت میں ہشتم دیا جاتا ہے جہاں عورت کو بیٹی ہونے کی حالت میں ایک ثلث دلیہ
عطا ہوتا ہے وہاں مرد کو بیٹا ہونے کی وجہ سے ثلثان (⅔) دیا جاتا ہے

ہاں جہاں مرد کی قرابت میت سے دور کی ہو وہاں عورت بوجہ قرب مرد کے برابر بلکہ زیادہ بھی لے لیگی۔

ہم انشاءاللہ ذیل میں ثابت کر دینگے کہ اسلام نے کسی حالت میں بھی عورت کو ترکہ سے محروم نہیں کیا وہ کسی نہ کسی رشتہ سے ضرور حصہ لے لیتی ہے۔

عورت بیٹی ہونے کی حیثیت سے کبھی محروم الارث نہیں ہو سکتی

عورت سب سے اول بحیثیت دختر پیدا ہوتی ہے والدین اس کو پرورش کرتے ہیں وہ ہوش سنبھالتے ہی خدمت میں لگ جاتی ہے اور اپنی طاقت کے مطابق گھر کے کام کاج کا بوجھ اٹھا لیتی ہے دوسروں کی مثال ہی کیوں دوں میں اپنی بیٹیوں ہی کی خدمتگزاری کا ذکر کرتا ہوں ایک ابھی چھوٹی عمر کی ہے مگر اپنی عمر کے مطابق کام میں مصروف رہتی ہے اور کچھ نہیں تو محبت سے اپنے چھوٹے بھائی کے کپڑے ہی دھونے لگتی ہے اس کی والدہ کھانا پکا رہی ہے تو وہ اس کی مدد کرتی ہے ننھے بھائی کو بہلاتی رہتی ہے الغرض جو کام وہ کر سکتی ہے اس کے کرنے سے کبھی سرتابی نہیں کرتی

دوسری بیٹی اس سے چند سال بڑی ہے اس نے تو آرام دے رکھا ہے سینے پرونے وقت ضرورت ماں باپ بھائیوں کے کپڑے دھونے کھانا پکانے بستر بچھانے الغرض گھر کے سب کام کاج میں ماں باپ کی مدد کرتی ہے گھر میں لڑکوں کا وجود اتنا آرام بخش نہیں جتنا لڑکی کا ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ سب شریف گھرانوں کی لڑکیاں والدین کی ایسی ہی فرمانبردار اور خدمتگزار ہونگی جیسی کہ ہماری ہیں پھر کس قدر ناقدرشناس ہیں وہ ماں باپ جو ان کی خدمات کا کچھ اعتراف نہ کریں بلکہ الٹا انہیں ترکہ سے محروم لکھوی وصیت کر جائیں اور کہیں کہ ہمارے ہاں لڑکیاں محروم الارث ہیں حالانکہ ان کا ایسا کرنا اور کہنا بالکل خلاف حکم قرآنی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے خدائے رازق کو اپنی اس کمزور مخلوقات کے حقوق کی نگہداشت اسقدر منظور ہے کہ لڑکے کا حصہ لڑکیوں کے حصہ کے تابع کر دیا اور فرمایا کہ للذکر مثل حظ الانثیین یہ نہیں فرمایا کہ لڑکی کا حصہ لڑکے سے نصف ہے اگر یہ ارشاد ہوتا تو مطلب ایک ہی تھا مگر ابتدائے بخشش ضعیف و کمزور ہے کی اور دینے کا حکم یوں فرمایا کہ ایک لڑکے کو دو لڑکیوں

کے برابر حصہ دو یہ ارشاد تو اس صورت میں ہے جب میت کی اولاد میں لڑکیاں بھی ہوں اور لڑکے بھی مگر جب لڑکے نہ ہوں اور صرف لڑکیاں ہی ہوں تو پھر ان کا حصہ خدا نے مقرر کر دیا ہے تاکہ میت کا کوئی عصبہ (پوتا - بھائی یا چچا) کل ترکہ پر قبضہ نہ کرے جب ایک بیٹی ہو تو اس کے لئے مال متروکہ کا نصف ہے اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب دو تہائی میں شریک ہوں گی ۔

بیٹے بیٹی سے جب حاصل ہو ترکین　　دو ذکر کو مثل حظ الانثیین
اک ہی بیٹی ہو تو اس کو نصف دو　　دو ثلث لیں ایک سے بڑھ کر ہوں جو

مگر حیف ہے ان سنگدل مسلمانوں کی دون ہمتی پر جو میت کی بیٹیوں کو محروم کر دیتے اور سب کچھ خود ہتھیا لیتے ہیں اور نار جہنم سے جو اس غضب کے بدلے یقیناً ان کو ہمیشہ جلائے گی نہیں ڈرتے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اس پر دائمی آرام آخرت کو قربان نہیں کرنا چاہیے خدا ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ۔

بیٹیوں کے حصہ میں شیعوں کا اختلاف

میں نے جب ۱۳۳۲ھ میں علم الفرائض کا بنظر غائر مطالعہ کر کے مواریث اسلام پر انیس الوارثین لکھی تھی اس وقت مجھے تعجب ضرور ہوا تھا کہ شیعہ ہم سے مسائل وراثت میں کیوں مختلف ہیں مگر بعد ازاں جب بابو غلام محمد صاحب امرتسری کی مہربانی سے شیعوں کے مذہب کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا تو ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں نے اس مذہب کو وضع کیا تھا ان کا مقصد ہی یہی تھا کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈالدیا جائے تاکہ ان کا شیرازہ بکھر جائے اور وہ بمقابلہ مخالفین دب جائیں چنانچہ وہ لوگ اپنے ارادۂ بد میں کامیاب ہو گئے اور آج ہم شیعوں کے مجتہد (حائری) کو علی الاعلان یہ پکارتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ شیعہ اصولاً و فروعاً سب فرق اسلامیہ سے مخالف ہیں (دفاع سے حائری حصہ ششم)

گو شیعوں کا ایمان ہے کہ اصل قرآن غائب نزد امام غائب ہے مگر چونکہ وہ ایک اسلامی فرقہ ہونے کے دعویدار ہیں اسلئے وہ ہمارے قرآن مجید ہی کو نقل کر ماننے پر

مجیدہ میں آیات مواریث ایسی واضح بیان ہوئی ہیں کہ ان میں کچھ تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی تھی لہذا اس پر تو شیعہ ہمارے ساتھ متفق ہیں کہ جب لڑکیاں لڑکے ملے جلے ہوں تو لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملیگا مگر جب صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں تو وہ قریباً ساری جائداد لڑکیوں کو ہی دلا دیتے ہیں عصبات کا اس صورت میں ان کے ہاں کوئی حق نہیں حالانکہ یہ منشائے قرآنی کے خلاف ہے اگر اللہ کو اس صورت میں مقررہ حصہ سے زیادہ دلانا منظور ہوتا تو یہ ارشاد ہوتا فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۔

یہ حصے مقرر کر دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ نصف یا دو تہائی سے بچ رہا ہے اس فاضل رقم کے کوئی اور وارث مستحق ہیں جن کی متعلق تصریح کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مقررہ حصص والوں کو دیکر جو بچ رہے وہ عصبات کا حصہ ہے یعنی پوتوں کا۔ یا باپ کا یا دادا کا یا بھائیوں کا یا چچا وغیرہ کا مگر اسلامی قانون وراثت میں بھی اختلاف ڈالنے کے لئے بانیان مذہب شیعہ نے عصبات کے حصوں کو اڑا دیا اور سب کچھ بیٹیوں ہی کو دلا دیا جو بیجا تشدد ہے جس کی برداشت عصبات نہیں کر سکتے اور وہ مجبور ہوتے ہیں کہ ایسے وقت میں علمائے احناف سے فتوے لے کر حق حاصل کریں

ایک طرف تو لڑکیوں کے حق میں یہ افراط اور دوسری طرف یہ تفریط کہ جب میت کی بیٹیاں میت کے والدین اور زن یا شوہر کے ساتھ ہوں تو وہ دوسروں کو پورا حصہ دینے کے لئے لڑکیوں کا حصہ گھٹا دینگے اور مسئلہ عول پر عمل نہیں کرینگے کیونکہ وہ سالار عادل فاروق اعظم سے مروی ہے اور جس کی رو سے مقررہ حصص والے ورثا حسب حصہ خود نقصان میں شریک کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ماں باپ کا چھٹا چھٹا حصہ اور شوہر کا چوتھا حصہ قرآن سے ثابت ہے اب اگر ان کو جمع کریں تو حاصل جمع $\frac{15}{12}$ ہوتا ہے پورے ایک پر اس چارم کے اضافہ کو بجائے اس کے کہ سب وارثوں کے حصہ پر ڈال کر حسب حصص نقصان تقسیم کریں شیعی علماء لڑکیوں ہی پر ڈالتے ہیں اور ان کا حصہ $\frac{2}{3}$ سے گھٹا کر صرف $\frac{5}{12}$ رہنے دیتے ہیں جو صریحاً ظلم ہے پس شیعہ مذہب کا قانون وراثت نظام وسط سے دور اور افراط و تفریط کا مجمع ہے۔ لہذا قابل عمل نہیں

یہ ایک جملہ معترضہ درمیان آگیا ہے ورنہ مقصود تو یہ بتانا ہے کہ اسلام نے کسی عورت

بن ابھی بیٹی کو ترکہ والدین سے محروم نہیں کیا۔ فالحمدللہ علی ذالک

عورت پوتی بنکر بھی حقدار وراثت ہے

دنیا میں جلوہ گر ہوتے ہی جہاں لڑکی بیٹی ہے وہیں وہ کسی کی پوتی بھی کہلاتی ہے۔ بیٹی کے بعد پوتی کو قرابت قریبہ حاصل ہے اور دادا کی جب محبت سے وہ خدمت کرتی ہے وہ اسی کا حصہ ہے اس لئے اسلام نے میت کے بیٹے اور بیٹیوں کی عدم موجودگی میں اسے بھی قریباً ویسے ہی حقوق وراثت عطا کئے ہیں جیسے کہ بیٹی کو یعنی وہ نصف کی حقدار ہے اسے سدس (⅙) اسوقت بھی مل جاتا ہے جبکہ وہ اپنی ایک پھوپھی کے ساتھ ہو اگر پھوپھیاں دو ہوں اور اسکا اپنا بھائی یا بھتیجا ہو تو بھی اسے نہم حصہ از ترکہ جد مل جائیگا اور جب مذکورہ بالا وارثوں کے علاوہ اس کی بھتیجی بھی ساتھ ہو تو بھی وہ بارہواں حصہ لینے کی حقدار ہوگی۔

بہن ہونیکی حیثیت میں عورت کا حصہ

لڑکی پیدا ہوکر جو ایک اور رشتہ میں مربوط نظر آتی ہے وہ بہن بھائی کا رشتہ ہے اولاد سے آرام تو آدمی بعد میں قسمت سے پاتا ہے والدین کے گھر میں ماں کے بعد جو اسے سچی محبت کی تصویر نظر آتی ہے وہ بہن کی صورت ہے بھائی سے سختیاں سہنا اور پھر بہتری ہی کی دعا مانگنا بہن ہی کا شیوہ ہے بہن جبتک میکے میں رہتی ہے بھائی کی خدمت گزاری اس کا وظیفہ رہتا ہے اور سسرال جاکر بھی وہ بھائی کے حق میں دعائے خیر ہی کرتی رہتی ہے اور جب سنتی ہے کہ اس کا بھائی یا بہن تکلیف میں ہے تو وہ تڑپ اٹھتی ہے اگر بھائی اسے کچھ دے تو سو سو دعائیں دیتی ہے اسلام نے اسی لئے بہن کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا اور اسے ترکہ برادر و خواہر سے نصف کی حقدار ٹھیرایا ہے بشرطیکہ اس کے بھائی یا بہن کے بیٹا پوتا اور باپ دادا نہ ہو اور صرف ایک ہی بیٹی ہو وہ ایک ثلث (⅓) پانے کے حسب بھی مستحق ہوگی جبکہ اسکے بھائی یا بہن کے بیٹیاں ہوں یا ایک لڑکی کے ساتھ ایک پوتی بھی ہو۔

بہن اگر سوتیلی ہے تو سگی بہن کی عدم موجودگی میں اس کے سگی بہن جیسے حقوق ہونگے اور اس کی موجودگی میں سدس (⅙) لینے کی مستحق ہوتی ہے اور حصہ نہم

تو اسے اس حالت میں بھی مل جاتا ہے جبکہ وہ میت کی دو سگی بہنوں اور ایک سوتیلے بھائی کے ساتھ ہو۔

مادری بہن۔ یعنی وہ بہن جو صرف ماں کے رشتہ سے بہن ہے بھائی یا بہن کے ترکہ سے سدس (⅙) لینے کی مستحق ہے جبکہ میت کے اولاد (بیٹا۔ بیٹی۔ پوتا پوتی) نہ ہو اور نہ ہی باپ دادا ہو۔

عورت کا حصہ بحیثیت زوجہ

عورت والدین کے گھر پرورش پاکر جب اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ ایک اور گھر کو آباد کرے تو اس کی شادی کر دی جاتی ہے خاوند سے علاوہ نان و نفقہ کے وہ اس رقم کو وصول کرنے کی حقدار ہے جو بطور حق مہر وقت نکاح مقرر ہو جاتے یہ رقم خاوند کے سر پر قرض ہے جو دوسرے قرضوں کیطرح تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے

اسلام نے اس عارضی تعلق میں بھی عورت کو ترکہ شوہر سے حقدار وراثت ٹھہرایا ہے یعنی اگر خاوند کے اولاد ہے تو وہ ثمن (⅛) لے گی اگر نہیں ہے تو ربع (¼) اس حصہ کی وہ باختیار کامل مالکہ ہو گی مگر رواجی طور پر کہنے کو تو زوج کا تمام ترکہ اسکے قبضہ میں ہے مگر مجال نہیں کہ اسے رہن و بیع و ہبہ کرکے ضروریات پوری کر سکے رواج بیوہ کو نہایت محدود اختیارات ملکیت دیتا ہے بیشک وہ کاغذات میں زمین کی مالکہ تو لکھی جائے گی مگر اسکو منتقل کرنے کی مجاز نہ ہو گی تاکہ جس گھر میں وہ بیاہی گئی تھی اس کی زمین دوسرے کے پاس وراثتاً منتقل نہ ہو یہ اور بات ہے کہ زمینداری عیاشیوں اور رسم و رواج میں اسے برباد کر دیں ویسے چلی جائے تو کوئی حرج نہیں ہاں خدا اور رسول کے حکم کی بجا آوری میں اسے دوسروں کو دینے سے ناک کٹتی ہے۔

ہندو بیوہ کو محدود اختیارات ملکیت دینے میں مجبور ہیں کیونکہ وہ اپنوں میں رشتے نہیں کر سکتے مگر برخلاف اس کے ہم لڑکی کو غیر برادری میں دینے پر مجبور نہیں اور عموماً ہمارے ہاں دستور یہی ہے کہ برادری سے باہر لڑکی نہیں بیاہتے پس

جب اپنی برادری ہی کی لڑکی زوجہ بنی تو اسے حصہ شرعی دینا اپنوں ہی کو دینا ہے ہاں مرد کو باہر بیاہ کرتے وقت سوچ لینا چاہیے کہ اگر بیوہ ہوگئی اور میرے کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی تو زوجہ کا حصہ ضرور اس کے بھائی بندوں میں منتقل ہوجائیگا شیعوں نے یہ قرار دے لیا ہے کہ عورت جائداد غیر منقولہ کی وارث نہیں ہوسکتی گویا وراثت زوجہ کے معاملہ میں وہ رواجی ہیں اللہ رواجیوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

عورت کا حصہ بحیثیت والدہ

دنیا میں سب سے زیادہ مجسم خیر و برکت اور سراپا ہمدردی ماں کا وجود ہے جس محبت سے وہ مصیبتیں اٹھا کر سختیاں جھیل کر، راتوں جاگ کر اولاد کی پرورش کرتی ہے اور اسکی ذرا سی تکلیف سے بے تاب ہوجاتی ہے اور اس کے حق میں دل سے دعا مانگتی رہتی ہے وہ ماں کے سوا اور کسی کا کام نہیں اگر اسلام ترکۂ والد سے ماں کا حصہ مقرر نہ کرتا تو وہ دین فطرت نہ کہلا سکتا قرآن شریف میں جہاں اور قریبی رشتہ داروں کے حصوں کی تشریح موجود ہے وہاں والدہ کی بھی ہے کہ اگر میت کے اولاد ہے یا ایک سے زیادہ بھائی بہن ہیں تو ماں کو سدس (۱/۶) ملے گا اور اگر نہیں تو ثلث (۱/۳)

شیعوں کا اختلاف

قرآن نے اصول باندھ دیا ہے کہ جب ایک قرابت کے مرد و عورت جمع ہوں تو مرد کو دو عورتوں جتنا حصہ ملے گا اس اصول پر خاوند کو عورت سے دگنا ملتا ہے بھائی کو بہن سے دوچند عطا ہوتا ہے پوتی سے پوتے کو مضاعف دیا جاتا ہے ماں باپ کے حصہ میں خود قرآن میں تصریح موجود ہے کہ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ

یعنی جب میت کے اولاد نہ ہو اور اسکے وارث اس کے والدین ہی ہوں تو اسکی ماں کا حصہ تہائی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ باقی باپ کا حق ہے اور وہ دو تہائی ہے جو تہائی سے دگنا ہے اس سے ثابت ہوگیا کہ باپ کا حصہ ماں سے اگر دگنا نہ ہو تو گھٹنا بھی تو نہ چاہیے فقہائے اہل سنت نے اس اصول کو اُس وقت بھی نظر انداز نہیں کیا

جبکہ والدین کے میت کے احد الزوجین (یعنی خاوند یا بیوی) ہوں پس جب خاوند ساتھ ہو تو حنفیوں میں بے اولاد میت کے ترکہ سے نصف شوہر کو دیا جاتا ہے باقی نصف کا ایک تہائی یعنی (⅙) ماں کو اور اس سے دگنا یعنی ⅓ باپ کو مگر شیعوں کے ہاں اس صورت میں باپ کو ⅙ ماں کو ⅓ دینے کا حکم ہے اور اسی طرح میت کی زوجہ کے ساتھ وہ ماں کو ¼ دیتے ہیں اور باپ کو ½ لیکن ہم قرآنی اصول پر ماں کو ¼ دینگے اور باپ کو ½ ہماری مراد اس اظہار سے یہ ہے کہ جہاں جہاں شیعوں کا داؤ چلا ہے انہوں نے اہل سنت کے صحیح طرز عمل کو درہم برہم کرنے میں فرق نہیں کیا۔

الغرض یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام نے ماں کو ہر صورت میں اولاد کے ترکہ سے حصہ دلایا ہے اور یہ نہیں کیا کہ پالا پوسا تو اس نے اور آخر کار اولاد کی تمام کمائی دوسروں کے حوالے کر دی۔

اسلام میں دادی نانی کا حق

اسلام نے دادی اور نانی کو بھی ذوالفروض میں شمار کیا ہے یعنی ایسے وارثوں میں جن کو مقررہ حصہ دینا فرض ہے ماں نہ ہو تو نانی کو ایک سدس (⅙) ضرور ملے گا اور اگر باپ نہ ہو تو دادی سششم لیگی دادی اور نانی کو جدات صحیحہ کہتے ہیں جو اکٹھی موجود ہونے کی صورت میں سدس میں شریک ہو جاتی ہیں۔

بیٹی کی اولاد کا وراثت میں حصہ

اسلام میں بیٹی کی اولاد کو بھی حصہ دیا جاتا ہے مگر اس صورت میں کہ نہ کوئی ذوالفروض میں سے باقی ہو نہ عصبات میں یعنی جن حصہ داروں کے حصے مذکور ہوچکے ہیں ان میں سے اگر کوئی نہ ہو اور نہ ہی پچھیوں میں سے کوئی مرد ہو تو میت کے نواسے نواسیاں اور ان کے بیٹے بیٹیاں وارث ہونگی۔

شیعوں کا اختلاف۔ شیعے اس معاملہ میں ہم سے بعد المشرقین پر ہیں وہ لڑکیوں کی اولاد کو وارثوں کے طبقہ اول میں شمار کرتے ہیں اور اس کے ہوتے میت کے باپ دادا کی اولاد کو کچھ نہیں دیتے مثلاً اگر میت کی نواسی ہی ہوگی تو نہ دادا کچھ لے سکتا ہے

اور نہ سگا بھائی۔ حضرت امام اعظمؒ سے جب امام جعفر صادقؒ نے فرمایا تھا کہ سنا ہے کہ آپ دین میں عقل کو بہت دخل دیتے ہیں تو آپ نے جواب دیا تھا کہ میں شریعت کے حکم صریح کے سامنے اپنی عقل کو چلنے نہیں دیتا چنانچہ میں دیکھتا ہوں کہ لڑکی لڑکے سے بوجہ کمزوری زیادہ مستحق امداد ہے مگر چونکہ شریعت نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دگنا دو اس لئے میں نے کبھی یہ فتوے نہیں دیا کہ لڑکی کو لڑکے کے برابر یا زیادہ حصہ دیا جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ بانیان مذہب شیعہ نے معاملات وراثت میں دین کے احکام کے مقابلہ میں اپنی عقل عقال کے گھوڑے بہت دوڑائے ہیں اور ارشاد نبوی کو پس پشت ڈال کر ان وارثین کو زمرہ وارثین درجہ اول میں شمار کر لیا ہے جو تیسرے طبقہ کے تھے خیر کل حزب بما لدیھم فرحون غرض بتانا یہ مقصود ہے کہ اسلام نے اپنے درجہ پر بیٹی کی اولاد کو بھی حصہ سے محروم نہیں کیا

والدہ اور دادی کے باپ دادا کا حصہ

جب بیٹوں کی اولاد بھی نہ ہو تو شریعت نے والدہ میت کے باپ۔ دادی کے باپ۔ نانا کے باپ نانی کے باپ اور نانا نانی ماں کو یکے بعد دیگرے میت کے ترکہ کا وارث بنایا ہے یعنی پہلے نانا وارث ہوگا اگر وہ نہ ہو تو پھر دادی کا باپ وغیرہ۔

شیعوں کا اختلاف شیعے متذکرہ بالا وارثوں کو طبقہ دوم میں جگہ دیتے ہیں اور وہاں باپ اور اولاد کے بعد انہی کا حق مقدم سمجھتے ہیں یہاں بھی انہوں نے شرعی معاملات میں عقلی ڈھکوسلوں سے کام لیا ہے یا ہم سے اختلاف رکھنے کو یہ راہ نکالی ہے۔

بھتیجیوں اور بھانجی بھانجوں کا حصہ

جب میت کے نانا وغیرہ بھی نہ ہوں تو شریعت نے بھتیجیوں اور بھانجی بھانجوں کو بھی ترکہ سے حصہ دلایا ہے۔ شیعے یہاں بھی ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان کو طبقہ دوم کے وارثوں میں شمار کرتے ہیں۔

پھوپھی خالہ اور ان کی اولاد کو بھی حصہ ملتا ہے

بھتیجیوں اور بھانجیوں کے نہ ہونے کی صورت میں پھوپھی اور خالہ کو حصہ وراثت پہنچتا ہے پھوپھی چونکہ باپ کی بہن ہے اس لئے وہ ماں کی بہن (خالہ) سے دوگنا حصہ پائے گی یعنی ان میں تقسیم دو اور ایک کی نسبت سے ہوگی اور ایک قسم کی سگی اسی قسم کی سوتیلی اور اخیافی رشتہ دار کو محروم کرے گی

جب باپ کی بہن اور ماں کی بہن اور بھائی نہ ہوں تو چچا کی بیٹی کی اولاد، اور ماموں کی اولاد اور خالہ کی اولاد کو حصہ ملتا ہے اس طرح کہ چچا کی بیٹی پھوپھی کی اولاد کے ساتھ دو تہائی اور پھوپھی کی اولاد کو میت کے چچا کی بیٹی کے نہ باقی ہونے کی صورت میں ماموں اور خالہ کی اولاد کی موجودگی میں ⅔ ملے گا اور ان کو ⅓۔

شیعوں نے بھی ان کو طبقہ سوم میں شمار کیا ہے بہر حال اسلام نے والد اور والدہ میت کی بہنوں کو بھی اپنے مقام پر حصہ دلایا ہے فھو المراد

اس سے کیا ثابت ہوا

بھائیو! آپ کو معلوم ہو چکا کہ اسلام نے عورت کو ہر رشتہ میں حقدار وراثت بنایا ہے اور اس کو بعیدی رشتہ دار مردوں پر مقدم رکھا ہے مثلاً ایک شخص دو بیٹیاں اور ایک بھائی یا دو بہنیں اور ایک چچا چھوڑ کر چل بسے تو پہلے بیٹیوں یا بہنوں کو ان کا حصہ ثلثان (⅔) دیکر باقی ماندہ ثلث (⅓) بھائی یا چچا کو ملے گا اسلئے کہ اپنی اولاد باپ کی اولاد سے اور باپ کی اولاد دادا کی اولاد سے بوجہ زیادہ قرابتدار ہونے کے زیادہ حصہ پانے کی حقدار ہے یہ ایک قدرتی اور دل لگتا اصول ہے جسے دین فطرت اسلام نے بوقت تعین حصص مدنظر رکھا ہے مگر رواج کی بے اصولی اور ستم کیشی ملاحظہ ہو کہ نہ وہ بیٹیوں کو حصہ دلاتا ہے نہ بہنوں کو اور سب کچھ بھائی اور چچا وغیرہ ہی کے حوالے کر دیتا ہے میں نے آپ کو نہایت اختصار کے ساتھ عورت کا حصہ ہر قسم کی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے بتا دیا ہے کہ وہ میت کے بیٹے بیٹی اور پوتے پوتی کی بیٹی میت کی بیٹی میت کے دادا دادی کی بیٹی میت کے بھائی اور بہن کی بیٹی میت کے چچا پھوپھی ماموں

خالہ کی بیٹی الغرض ماں باپ کے تمام قسم کی نسبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے مردوں کے دوش بدوش ترکہ میت سے اپنے اپنے مقام پر حصہ پاسکتی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جس فراخ دلی سے عورت کے حقوق مقرر کئے ہیں اور کسی مذہب نے نہیں کئے یہ حقیقت حال معلوم کرنے کے بعد بھی جو اشخاص اسلام کے دین اللہ ہونے کے قائل نہ ہوں اور شریعت محمدیہ کے آگے سر تسلیم خم نہ کریں ان کی بابت یقین کرنا چاہیے کہ ان کی حالت قابل رحم ان کی دماغی قابلیت قابل افسوس اور ان کا ایمان خطرے میں ہے ہمیں خدا سے التجا کرنی چاہیے کہ وہ ان کی اصلاح کرے اور ہدایت دے

گورنمنٹ کس طرح عورتوں کے حقوق دلا سکتی ہے

میں نے چند روز ہوئے انجمن حمایت اسلام کی توجہ بذریعہ اخبار سیاست و زمیندار مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۵ء مستورات کی حقوق تلفی کی طرف مبذول کرائی تھی کہ وہ پنجاب کی ایک بہت بڑی انجمن ہونے کی حیثیت سے گورنمنٹ سے استدعا کرے کہ مسلمانوں کی جائداد کی تقسیم کے متعلق جو مقدمے دائر ہوں ان کا فیصلہ لازمی طور پر شرع محمدی کے مطابق کیا جائے تاکہ اس کمزور صنف کو اپنا حق شرعی مل جائے۔ شاید بادی النظر میں یہ درخواست قابل سماعت نہ خیال کی جائے کیونکہ گورنمنٹ کسی کے رسم و رواج میں دست اندازی نہیں کرنا چاہتی مگر ہمارا سوال یہ ہے کہ جب رسم و رواج ایک طبقہ پر ناقابل برداشت مظالم کی حد تک پہنچ جائیں رسم و رواج کی آڑ میں کمزوروں کے حقوق پر ڈاکے پڑیں اور ظالم و ناخدا ترس لوگ وارثان بازگشت کہلا کر قریبی رشتہ داروں کے حقوق غصب کرلیں تو وہ رسم و رواج اس قابل نہیں کہ ان کو تسلیم کیا جائے اور ان کو جاری رکھ کر حق تلفیاں قائم رہنے دی جائیں اسی سرزمین میں ستی اور دختر کشی کی رسم بھی جاری تھی مگر گورنمنٹ نے عورتوں پر رحم کھا کر ان کو موقوف کردیا اگر گورنمنٹ اسی رحم سے کام لے کر عورتوں کی حق تلفی کی رسم بھی بند کردے تو بڑی نیکی کا کام کرے۔ امید ہے ہمارے صاحب رسوخ بھائی جن کو حقوق نسواں کا پاس ہو اس بات کو ذہن نشین رکھیں گے اور کوشش کرینگے کہ عورتوں کو محروم الارث رکھنے کا رواج قانوناً بند ہو جائے اور جب تک بند نہ ہواں کو حصول حقوق میں سہولتیں بہم پہنچائی ....

اسلامی قانون وراثت کے موٹے موٹے اصول

چونکہ پنجاب میں ۹۵ فیصدی مسلمان اسلامی قانون سے ناواقف ہیں اس لئے اس دقیق مسئلہ کے موٹے موٹے اصول بیان کرد ئے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ شریعت کیا ہے۔

(۱) گور و کفن کا خرچ نکال کر قرض اتار کر اور باقی میں سے ایک تہائی مال تک وصیت پوری کر کے ترکہ تقسیم کرنا چاہئے۔ وارث کے حق میں بلا رضامندی دیگر ورثاء وصیت ناجائز ہے۔

(۲) پہلے ماں باپ اور خاوند یا بیوی کا حصہ نکال کر باقی ترکہ اولاد میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۳) مرنے والے کے قریبی رشتہ دار کے ہوتے دور کے رشتہ دار کو کچھ نہیں ملتا اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے مثلاً ماں کے ہوتے نانی محروم رہتی ہے اور اولاد کے ہوتے اولاد کی اولاد کچھ نہیں لے سکتی۔

(۴) چونکہ مرد کو عورت پر قدرتاً فضیلت حاصل ہے اس لئے ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے مثلاً میت کی دو بیٹیوں کو جتنا حصہ ملیگا اتنا ہی اسکے بیٹے کو ملیگا۔ جب بیٹا یا پوتا کوئی نہ ہو مگر ایک بیٹی یا پوتی ہو تو اسکو نصف اور اگر زیادہ ہوں تو سب مال کی دو تہائی میں شریک ہونگی۔

(۵) مرنے والے کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو ترکہ کی چوتھائی اور اگر ہو تو آٹھواں حصہ ملتا ہے اور اسیطرح شوہر کو زوجہ کے ترکہ میں سے نصف اور چہارم۔

(۶) اگر میت کی اولاد ہو (یعنے بیٹا۔ بیٹی یا پوتا پوتی وغیرہ) تو ماں باپ کو مال متروکہ کا چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے اور اگر نہ ہو تو پھر اس سے زیادہ تشریح انیس الوارثین سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۷) سگے سوتیلے بھائی بہن صرف اس صورت میں حقدار ہیں جب میت کا باپ دادا زندہ نہ ہو اور نہ بیٹا پوتا ہو ہاں اگر صرف بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو ان کا حصہ (دو تہائی) نکال کر باقی بہن بھائی لے سکتے ہیں اور مادری بھائی بہن کے لئے ایک تہائی ہے جبکہ میت کے بیٹے پوتے کی بھی اولاد نہ ہو۔

(۸) جب اس قسم کے وارث جمع ہو جائیں جن کو مقررہ حصے دیکر کچھ مال بڑھ جائے تو وہ باقی مال سوائے شوہر یا بیوی کے انہی میں ان کے حصص کے موافق تقسیم کر دیا

جائیگا اور اگر مقررہ حصوں والے وارثین بڑھ جائیں اور ترکہ پورا حصہ دینے کا متحمل نہ ہو تو ہر ایک کا حصہ اس کے حصے کے موافق گھٹا دیا جائیگا شرعی اصطلاح میں اسکو رد اور اسکو عول کہتے ہیں پورا بیان کتاب علم الفرائض سے معلوم ہو سکتا ہے ۔

(۹) شریعت میں جدی اور خود پیدا کردہ جائداد ایک ہی حیثیت رکھتی ہے جس شخص کے قبضہ میں از روئے شریعت کوئی حصہ ہو وہ اس کے بیع وہبہ کا مختار ہوتا ہے ۔

(۱۰) تبنے بنانا از روئے شریعت ناجائز ہے کیونکہ اس سے دیگر حقداروں کو نقصان پہنچتا ہے ۔

عورت کا حق مارنے کی دنیا میں سزا

مجھے اس میں عین الیقین ہے کہ جو شخص یا اشخاص کسی عورت کا حق وراثت ظلم سے غصب کریں تو اس کا بدلہ دنیا میں بھی مل کر رہتا ہے میرے گرد و پیش کئی واقعات ہیں جن میں عورت کو جبراً اسکے والدین واقربا کے ترکہ سے محروم کیا گیا جس پر اس کے زخم خوردہ دل سے آہ نکلی ۔ جو غاصبوں کے گھر پر بجلی بنکر گری اور اسے چند سالوں میں خاک کر دیا جن ظالموں کے سازش کر کے بیچاری کو محروم الارث کیا تھا ان کا چند سالوں میں خانہ تباہ ہو گیا ۔ انہوں نے عورت کو محروم تو اس نیت سے کیا تھا کہ ہم مرد ہیں ہم مال لے کر اپنے لڑکوں اور پوتوں کو دینگے مگر اللہ نے بیٹے پوتے ان کے نصیب ہی نہ کئے اور ان کا مال دوسروں کے کام آیا ناحق چھینا ہوا مال ایسا زہر قاتل ہے جو غاصب ہی کا نہیں بلکہ اس کی نسل کا خاتمہ کر دیتا ہے اور جو اس سے خاندان میں نفاق و فساد پھیلتا ہے وہ مزید براں ۔

پنجابی میں یہ مثل مشہور ہے کہ **اوتریاں دا مال نہیں پھلدا** یعنی جس کے لڑکا نہ ہوا اس کا ترکہ جن کے قبضے میں آئے ان کو نفع نہیں دیتا یقیناً اس سے نفع نہیں کہ وہ ظلم سے خلاف شریعت حاصل کیا ہوتا ہے اور مالِ حرام کا جو انجام ہے وہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ **مالِ حرام بود بجائے حرام رفت**

آغا گل کی خلافِ شریعت گواہی

مسٹر سلطان علی المشہور آغا گل بد قسمتی سے ان لوگوں میں سے ہیں جو صحابہ کرامؓ سے دشمنی کا یہ سبب بتاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ کا شرعی حصہ نہ دیا حالانکہ حسب حدیث لا نورث ولا نورث انبیاء کا ترکہ عام وارثین میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ بطور مال وقف جمیع امت کے نفع کے لئے ہوتا ہے مگر صحابہ کرامؓ پر ناحق کے نکتہ چین آغا گل صاحب بڑے دھڑلے سے عدالت مدراس میں بیان دیتے ہیں کہ ہم دختران کو حصہ نہیں دیتے بلکہ ہم چاہیں تو اپنے بیٹوں کو بھی محروم الارث کردیں چنانچہ اس خلاف شریعت غصب حقوق کو اپنے اعمال سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ میری بہن ہمشیرگان کو کچھ نہیں ملا اور میں نے اپنے بیٹے کو محروم الارث کیا ہے اس دیدہ دلیری اور شوخ چشمی سے خلاف شریعت عمل کرنے والوں کو بزرگان دین کے منہ آنے سے کچھ تو شرمانا چاہئے نیز ان شیعوں کو بھی جو ایسے رواجی لوگوں کو لیڈر اور سلطان القلم مانیں۔

ہے خلودِ نار کی ان کے لئے بیّن وعید

بعثتِ ختم الرسل سے پیشتر اس دہر میں
زیردستوں کے ابھرنے کی نہ تھی کوئی سبیل
حقِ ایتام و ایامٰے غاصبوں کی نذر تھے
ترکۂ مورث سے ان کو تھی نہ ملتی اک بھی کھیل
بازوؤں میں زور رکھنے والے ہی حق دار تھے
تھا اصول ان کا کہ کمزوری ہے حرماں کی دلیل
جب تھے کمزور اس طرح آماجگاہِ ظلم و جور
آگیا ان کی مدد کو مرسلِ ربِ جلیل
اُم و بنت و زوجہ و جدہ کو بھی وارث کیا
اَبْ و ابن و زوج و جد کے ساتھ با طرزِ جمیل

جاہلیت کے رواج ناسزا سب اٹھ گئے
ہوگئی جاری شریعت ہر جگہ بے قال و قیل
ماسوا پنجاب کے اس وقت بھی ہر ملک میں
تابع شرع مبیں ہیں سب مسلمان اے خلیل
ہم شریعت کے نہیں بلکہ ہیں پابند رواج
کہلوا لیتا ہے ان سے اس جگہ مال قلیل
غیرت و شرم و حیا و دین و ایماں کر چکے
غرق یہ پنجاب میں افسوس از حرص جزیل
ہے رواج ان کا سراسر ظلم پرور عدل سوز
اس پہ نازاں ہیں مگر یہ جاہلانِ بے دلیل
مال اور اولاد سے سب خیر و برکت اٹھ گئی
اس پہ بھی توبہ نہیں کرتے یہ مردانِ ذلیل
ہے خلودِ نار کی ان کے لئے بیّن وعید
پھر بھی یہ بنتے نہیں پابندِ شرع بے عدیل
رکھ رواجِ بد کی زد سے شرع کو یارب مصوں
جیسے کعبہ کو رکھا از حملۂ اصحابِ فیل

آمد و خرچ

اخیر اگست ۱۹۲۵ء تک [illegible] بچت۔ مزید آمد تا اخیر نومبر [illegible] میزان [illegible] خرچ بر رسالہ عقدام کلثوم [illegible] باقی [illegible] رسالہ ہذا کے اخراجات دسمبر کے حساب میں محسوب ہوں گے خانصاحب شیر محمد صاحب کے بیٹوں سے [illegible] ابھی قابل وصول ہیں

غلام دستگیر نامی خازن

اغراض و مقاصد دائرہ

مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی تلقین اور غیر اسلامی رسم و رواج کی بیخ کنی کرنا اور بزرگانِ دین کی عظمت کا سکہ بٹھانا۔

عورتوں کی دادرسی کی طرف قدم

خدا کا شکر ہے کہ پنجاب میں عورتوں کی دادرسی شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں موضع بھروسے ضلع گوجرانوالہ تحصیل وزیرآباد کی وسیع الرقبہ اراضی کی ملکیت کا فیصلہ عدالت عالیہ ہائیکورٹ پنجاب مسٹر جسٹس ہیرس صاحب و مسٹر جسٹس مرزا ظفر علیخان صاحب بجان نے مرحوم کی بہنوں کے حق میں کیا ہے اور جو مرحوم کے وارثان بازگشت بنے تھے ان کا حق وراثت تسلیم نہیں کیا۔ مسلمان یہ سن کر بھی خوش ہونگے۔ کہ پیر محمد اشرف عالم شاہ صاحب سجادہ نشین جاگیردار رتہ پیراں نے اپنے چچا پیر حیدر شاہ صاحب مرحوم کی بیٹیوں کے نام سینکڑوں ایکڑ اراضی کی ملکیت کا اندراج کاغذات سرکاری میں کرا دیا ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء ۔

پیر عبد اللہ شاہ صاحب بنی پوری نے جو اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو پابند حدیث ہونے کی دعوے دار ہے۔ حج پر جانے سے پہلے اپنی بہنوں کے حقوق وراثت ادا کرنیکی وصیت کی تھی جس پر مولوی عبد الواحد صاحب امام مسجد چینیاں لاہور گواہ ہیں۔ ہم منتظر ہیں کہ حاجی صاحب مذکور کب نفاذ وصیت کر کے اپنے موحد ہونے کا ثبوت دیتے ہیں:

نیاز مند نامی انجمن نعمانیہ ہند لاہور کا ممنون ہے جنہوں نے میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے رسالے کے ضمیمہ میں بعنوان شرعی میراث وہ طریقے بتائے جن سے مسلمانوں کو پابند شریعت بنایا جا سکتا ہے۔

عزیزی ظفر حسین صاحب کی زبانی مجھے رتہ پیراں میں معلوم ہوا کہ جلسہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں بھی ۲۰ دسمبر کو مولوی راشد الخیری کی تقریر حقوق نسواں کے بعد مسلمان عورتوں کے حقوق وراثت دینے پر دلچسپ تقریریں ہوئیں۔ سر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا نے کہا کہ لڑکیوں کی وراثت کے خلاف کوئی بحث قابل سماعت نہیں کیونکہ ان کا حق از روئے قرآن مسلّم اور اس کا منکر قطعی دوزخی ہے۔ پھر انہوں نے بیان کیا کہ میری پھوپھیوں اور بہنوں کو حصہ ملا اور میں نے اپنی بیٹیوں کے لئے بھی وصیت کر دی ہے ہم انجمن مذکورہ کے بھی اس بارے میں ممنون ہیں اور اس کے عملی کام پر مزید شکریہ ادا کرینگے ۔

خاکسار نامی عفی عنہ ۲۹/۱

نوٹ: اگر چیف صاحب کوشش کریں تو عورتوں کے حقوق قانوناً تسلیم ہو سکتے ہیں۔